قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا پچھترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

اپریل 2018ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' (الحدیث) حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



چمن میں تربیتِ غنچہ ہو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شریکِ نسیم

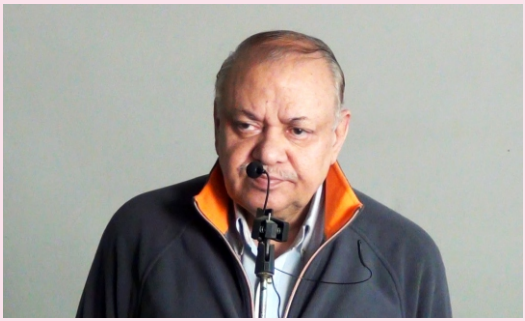
(ضربِ کلیم کی نظم ''علم اور دین'' کا ایک شعر)

تقریب بیادِ پرویزؒ (تصویری جھلکیاں)

منعقدہ 25 فروری 2018ء



اسٹیج پر موجود مہمانانِ خصوصی



محمد عمر (نظامت کرتے ہوئے)



خالد بشیر فاروقی



حاضرین مجلس کا ایک منظر



پروفیسر شاہد نسیم



ڈاکٹر پروفیسر صالحہ انجم

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

مارچ 2018ء

جلد 71 | شمارہ نمبر 03

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: 1940ء کا ریزولیوشن کن حالات میں پاس ہوا تھا؟	ادارہ	4
میری ڈائری کا ایک ورق	محمد خالد گل، سعودی عرب	9
یہ تھا نظامِ مصطفےٰ ﷺ	غلام احمد پرویز	10
دولت کی پیدا کردہ بیماریاں	ڈاکٹر زاہدہ درانی، لاہور	20
اسلام خطرے میں ہے	ادارہ	24
بچوں کا صفحہ، زبان سنبھال کر بولو	ادارہ	30
نوجوانوں کا صفحہ: نخلِ سینا (نشست نمبر 4)	محمد علی صابر صدیقی	32
خواتین کا صفحہ: عورت اور قرآن	جمیلہ خاتون پالوی، بھارت	39
اسلامی نظام کے قیام سے مقاصد عالیہ حاصل ہوتے ہیں	خواجہ ازہر عباس، کراچی	42
قرآن: جدید تحقیقات کی روشنی میں	عبداللہ ثانی، پشاور	49
دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہ پاکستان	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	52

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 800 روپے سالانہ
بیرونِ ملک: 2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 5000 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546 , Cell: 0321-4460787
idarati@gmail.com
www.facebook.com/Talueislam

ENGLISH SECTION

The Sunrise of Humanity (*Tulu-e Aftaab* طلوع آفتاب)
Meraj-e Insaaniyat (The Pinnacle of Humanity)
by G. A. Parwez (Translated by: M. Alam) 59

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672
For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
خروش آموزِ بلبل ہو، گرہ غنچے کی وا کردے
کہ تو اس گلستاں کے واسطے بادِ بہاری ہے
پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
زمیں جولاں گہِ اطلس قبایانِ تتاری ہے
بیا پیدا خریدارست جانِ ناتوانے را
''پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را''

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

21 اپریل کی یاد میں

8 اپریل 1938ء کو طلوعِ اسلام کے دورِ جدید کا پہلا شمارہ منظرِ اشاعت پر آیا۔ یہ پرچہ ابھی تقسیم نہ ہونے پایا تھا کہ حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کے سانحہ رحلت نے فلسفہ وحکمت کی بارگاہوں میں بالعموم اور عالمِ اسلام کے طول وعرض میں بالخصوص ماتم کی صفیں بچھا دیں۔ علامہ مرحوم سے طلوعِ اسلام کا قلب ونگاہ کا کس قدر گہرا رشتہ قائم تھا اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یہ نام خود حضرت مرحوم ومغفور نے تجویز کیا۔ اور ادارہ کی طرف سے پہلے ہی شمارہ میں بہ الفاظ ذیل اس جریدہ کی پیشکش ان کے حضور میں کی گئی۔

ہم کمالِ عقیدت ونیازمندی کے ساتھ ''رسالۂ طلوعِ اسلام'' کو ترجمانِ حقیقت حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ مدظلہٗ العالی کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتے ہوئے آرزو رکھتے ہیں کہ جس طرح نئی روشنی کی پیدا کردہ تاریکی میں ان کا جلوۂ فکر آفتابِ اسلام کے نئے طلوع کا باعث ہوا ہے۔ اسی طرح یہ رسالہ ان کے پرتوِ افکار سے حقیقی معنوں میں اسم بامسمیٰ ثابت ہو۔ ''طلوعِ اسلام'' نہایت ادب سے ان کے حضور میں متقاضی ہے کہ ؎

مدار جلوہ دریغ از دلم کہ خرمنِ حسن　　زخوشہ چینیٔ آئینہ کم نمی گر ود

(میرے دل سے اپنا جلوہ چھپا کر نہ رکھو کیونکہ حُسن کا خرمن آئینہ کی خوشہ چینی سے (ذرا بھی) کم نہیں ہوتا۔ ترجمہ: م۔س۔ا)

اسی شمارہ میں ادارہ طلوعِ اسلام کو حضرت علامہؒ کی یہ تازہ ترین غیر مطبوعہ رباعی شائع کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا کہ ؎

توغنی از ہردو عالم، من فقیر　　روز محشر عذر ہائے من پذیر
یا اگر بینی حسابم ناگزیر　　از نگاہِ مصطفٰے پنہاں بگیر

اسی پرچہ کے افتتاحیہ میں ادارہ نے علامہ اقبالؒ کی گراں قدر شخصیت کو مبداء فیض کی کرم گستری قرار دیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ:

اس پرچہ کی خوش نصیبی ہے کہ پیامِ اقبالؒ کی نشر واشاعت اس کا مقصد ہوگا۔ آج ملتِ اسلامیہ کی زندگی کا راز

اس پیام کے اندر ہے کہ یہ پیام دراصل قرآنِ کریم کا پیام ہے۔ حضرت علامہ مدظلہٗ العالی کی باریک بین اور دوررس نگاہیں حقائقِ قرآن کو سمجھنے میں جن بلندیوں تک پہنچ چکی ہیں، ان سے کوئی دیدہ ورنا واقف نہیں۔ ملتِ اسلامیہ اللہ تعالیٰ کی اس موہبتِ عظمیٰ پر جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔

یہ تھیں وہ امنگیں اور آرزوئیں جو طلوعِ اسلام نے اپنی اشاعت کے سلسلے میں حکیم الامت کی ذاتِ گرامی سے وابستہ کیں۔ لیکن آہ!

مادرچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

طلوعِ اسلام کا پہلا شمارہ اس شدتِ آرزو کو لئے حضرت علامہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ یہ پہلا اور آخری شمارہ تھا جس کی نگارشات کو اس بارگاہ قلندری میں شرفِ قبول حاصل ہوا۔ اور پھر 21 اپریل کو ہم ہمیشہ کے لئے اس دانائے راز کی طبیعی رفاقت اور سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ یہ حادثہ اس قدر دلدوز و جگرسوز تھا کہ طلوع اسلام نے ''نالۂ یتیم'' کے عنوان سے جو ضمیمہ شائع کیا، اس میں لکھا۔

اس قیامت خیز حادثہ جانکاہ کی جگرگدازی اس بچے سے پوچھئے جو آنکھ کھولتے ہی یتیم ہو جائے۔ ہم کشمکشِ حیات کی اس بھیانک وادی میں اس بھروسہ پر گامزن ہوئے تھے کہ اگر ہمارے پاؤں میں ذرہ سی بھی لغزش آئی تو ایک انگلی پکڑ کر اٹھانے والا ساتھ موجود ہے۔ لیکن مشیت کے فیصلے سے، پہلے ہی قدم پر یہ آسرا ہم سے چھین لیا گیا اور ہمارے مسرت کے قہقہے خون کے آنسوؤں میں بدل گئے۔۔۔

پیامِ اقبالؒ کی شمعِ نورانی ''طلوع اسلام'' کے لئے خضرِ راہ ہوگی اور اس کی تابندگی و درخشندگی سے باطل کی ہر تاریکی کو مٹانا اس کا مقصدِ حیات ہوگا واللہ المستعان۔ (دہلی، 21 اپریل 1938ء)

تصورِ اقبال:

اقبالؒ کی طبیعی مفارقت کے سانحہ کو 26 سال گزر گئے لیکن اس کی بصیرتِ قرآنی اس طویل اور کٹھن سفر میں قدم قدم پر ہماری رہنمائی کے لئے نشانِ منزل کا کام دیتی رہی۔ اس مدت میں بڑے اہم انقلابات برپا ہوئے۔ یہ انقلابات رفتہ رفتہ اس عظیم تحریک کے نشانِ راہ بنتے گئے جو بالآخر پاکستان کی جداگانہ مملکت کی تشکیل پر منتج ہوئی اور کون نہیں جانتا کہ ہماری آزادی واستقلال کی یہ منزل بھی اسی مردِ قلندر کی قرآنی بصیرت کا شاہکار تھی۔ یہ اقبالؒ ہی نے بتایا تھا کہ جمہوریت کا مغربی تصور اس برصغیر کے مسلمانوں کو ہندو اکثریت کی ابدی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دے گا اور اس سے ان کی حیاتِ ملی میں وہ حادثہ قیامت رونما ہوگا جس سے بچاؤ کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ اسی احساسِ زیاں کی پکار تھی جو مسلمانوں کے حقِ خودارادیت کے مظاہروں اور جداگانہ مملکت کے قیام کے مطالبہ کی صورت میں دنیا کے سامنے آئی اور یہی نصب العین تھا جو 1930ء میں اقبالؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے تجویز کیا۔ دس سال بعد پوری اُمت اس نصب العین کو

اپنی جدوجہد کا مرکز ومحور قرار دے چکی تھی۔ قائداعظمؒ کی قیادت میں سات سال کی مختصر سی مدت میں اس نے جداگانہ مملکت کے قیام سے دنیا کے نقشوں کو بدل کر رکھ دیا اور تاریخ ایک نیا موڑ مڑنے پر مجبور ہوگئی۔

پاکستان کے محسوس ومشہود پیکر میں اقبالؒ کے فکر وبصیرت نے جس مملکت کو جنم دیا وہ محض جغرافیائی حد بندیوں کی آئینہ دار نہیں بلکہ وہ مظہر ہے اس انقلاب آفریں تصورِ حیات (Idealogy) کی جسے خدا کا دین، تشکیلِ ملت کے لئے وجہ اشتراک اور اساس قرار دیتا ہے۔ ایک طرف شیخ الہند کا نعرہ تھا کہ قوم وطن کی بنا پر تشکیل پاتی ہے اور دوسری طرف کروڑوں انسانوں کے قلب ونگاہ میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی اس نشید قرآنی سے ایک نیا انقلاب اُبھر رہا تھا کہ وحدت ملت کی بنیاد ایمان ہے۔ اشتراکِ وطن ونسل نہیں۔ اس انقلاب نے صدیوں کے بعد نوع انسانی کو ایک بار پھر اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ نظریاتی اساس پر کیونکر ایک مملکت وجود پذیر ہوتی ہے۔ صدیوں قبل حضور سالتمآب ﷺ کے مقدس ہاتھوں اسلامی مملکت کا وجود عمل میں آیا اور 1947ء میں تاریخ پھر بصد انداز یکتائی اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔

مملکتِ خداداد پاکستان کا وجود اقبالؒ کی اسی بصیرت قرآنی کا مرہونِ منت ہے اس مملکت کے عظمت وجلال کے لہراتے ہوئے پھریرے اقبالؒ کی اسی بلند نگہی اور مومنانہ فراست کو خراجِ تحسین پیش کرتے دکھائی دے رہے ہیں اور اس انقلاب آفریں حقیقت کی شہادت بہم پہنچا رہے ہیں کہ دنیا میں ایک ایسی مملکت بھی موجود ہے جو انسانوں کے خودساختہ قوانین کے بجائے، اپنے ہاں دینِ خداوندی کی عطا فرمودہ مستقل اقدارِ حیات کو قانون سازی کی اساس قرار دینے کے ایمان واعلان کی بنا پر وجود میں آئی ہے۔ یہ سب کچھ اس حکیمِ انقلاب کے فکر وبصیرت کا جیتا جاگتا شاہکار ہے اور عصرِ حاضر کی تاریخ میں اپنی مثال آپ۔

اسلامی مملکت کے واضح نشانات:

اقبالؒ نے محض اس مملکت کے حصول کی نشان دہی نہیں کی، بلکہ تشکیل مملکت کے لئے ان اصول واقدار کا بھی سراغ دیا جو قرنِ اوّل میں مملکت دین کی اساس بنے تھے۔

معاشی مسئلہ ایک مملکت کے نظام میں اہم ترین حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مملکتِ پاکستان کو پوری شدت سے اس مسئلہ کے حل کی ضرورت درپیش ہوگی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے 28 جولائی 1937ء کو قائداعظم کے نام ایک اہم خط لکھا اور اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

> یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اس آئین کو دورِ حاضر کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما (Development) دی جاسکتی ہے اسلامی آئین کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامانِ پرورش (Subsistence) ضرور مل جاتا ہے۔

حضرت علامہ مرحوم کے نزدیک مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے قیام سے مقصود یہ تھا کہ اس خطۂ زمین میں قرآنی اصول

واقدار کی روشنی میں وہ معاشرہ متشکل ہو جس کے نشوونما ارتقاء سے شرفِ انسانیت کا محسوس نقشہ دنیا کے سامنے ابھر اور نکھر کر آجائے اور اس کے برگ و باریہ ثابت کر دیں کہ نوعِ انسانی کو اپنی حقیقی ربوبیت کا سامان اگر کہیں سے مل سکتا ہے تو اسی بارگاہ سے۔ مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کے ایک خط کے جواب میں وہ اس نظام کی عالم آراء اور انسانیت ساز خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

ارتقائے شرفِ انسانیت:

اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور اس کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے اور کوئی اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رُو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح کا داعی نہیں بلکہ عالمِ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نظر کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ نبوت محمدیہ ﷺ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانونِ الٰہی کے تابع ہو جو نبوتِ محمدیہ ﷺ کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔

ڈاکٹر نکلسن کے نام خط میں وہ اسلامی نظام کی خصوصیات کی مزید وضاحت فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

اسلام بلکہ کائناتِ انسانیہ کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے اور جو لوگ نوعِ انسانی سے محبت رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ قومیت کا عقیدہ جس کی بنیاد نسل یا جغرافیائی حدود ملک پر ہے، دنیائے اسلام میں استیلاء کر رہا ہے اور مسلمان عالمگیر اخوت کے نصب العین کو نظر انداز کر کے اس عقیدے کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو ملک وطن کی حدود میں مقید رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے میں ایک مسلمان اور ہمدرد نوعِ انسانی کی حیثیت سے انہیں یاد دلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا حقیقی فرض سارے بنی آدم کی نشوونما ارتقاء ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے الٰہ آباد سیشن 1930ء میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ مملکت کی تجویز پیش کرتے ہوئے انہوں نے جو خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ اس میں اسلام کے پیش کردہ اجتماعی نظام کا امتیازی پہلو منظرِ عام پر لاتے ہوئے انہوں نے کہا:

یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کوئی کلیسائی نظام نہیں۔ بلکہ یہ ایک ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی کہیں پیشتر ایک ایسے وجود میں ہوا جو عقد اجتماعی کا پابند ہو۔ اسلامی ریاست کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان شجر و حجر کی طرح کسی خاص زمین سے وابستہ نہیں، بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی ترکیب میں حصہ لیتا ہے اور اس کے ایک زندہ جزو کی حیثیت سے چند فرائض اور حقوق کا مالک ہے۔

اور اسلام کے اس اجتماعی نظام کی ممیز حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

اسلام ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت سے کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا اور ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں، بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور جو غیر اسلامی ہو، نامعقول و مردود ہے۔

انہوں نے پنڈت جواہر لعل نہرو کے نام اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا:

منزہ اسلام کی خاطر:

میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی مملکت کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازنِ قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک قائم ہیں اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت و تعلیمات پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانۂ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔

علامہ مرحوم نے اس حقیقت پر زور دیا کہ اسلام کی روح اجتہاد کو از سرِ نو زندہ کرنا اشد ضروری ہے تاکہ حالات کے بدلے ہوئے تقاضوں کے پیشِ نظر جزئیاتِ دین کی از سرِ نو ترتیب عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ 2 ستمبر 1925ء کو صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کے نام اپنے ایک مکتوب میں انہوں نے لکھا تھا کہ:

اجتہاد:

میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نکتہ نگاہ سے زمانہ حال کے ''جورس پروڈنس'' یعنی اصول فقہ پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کر دے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا۔ اور بنی نوعِ انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ قریباً تمام ممالک میں مسلمان اس وقت یا تو اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور و فکر کر رہے ہیں۔ (سوائے ایران و افغانستان کے) ان ممالک میں بھی امروز و فردا یہ سوال پیدا ہونے والا ہے۔ مگر افسوس کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانے کے میدانِ طبع سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔۔۔ غرضیکہ یہ وقت عملی کام کا ہے کیونکہ میری ناقص رائے میں اسلام گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید اسلام کی تاریخ میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔

اسلامی نظام نوعِ انسانی کو جس شرف سے نوازتا ہے اس کی وضاحت علامہ مرحوم نے اپنے اس تاریخی خط میں کی تھی جو

’قومیت اور وطنیت‘‘ کے موضوع پر بحث کے دوران انہوں نے مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کو لکھا تھا۔ اس مکتوب میں انہوں نے فرمایا تھا کہ:

انسان کی تاریخ پر نگاہ ڈالو۔ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ باہمی آویزشوں، خونریزیوں اور خانہ جنگیوں کا ____ کیا ان حالات میں عالمِ بشری میں ایک ایسی اُمت قائم ہوسکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن وسلامتی پر موسس ہو؟ قرآن کا جواب ہے کہ ہاں ہوسکتی ہے بشرطیکہ توحید الٰہی کو انسانی فکر وعمل میں حسبِ منشاء الٰہی مشہود کرنا انسان کا نصب العین قرار پا جائے۔ ایسے نصب العین کی تلاش اور اس کا قیام سیاسی تدبیر کا کرشمہ نہ سمجھئے بلکہ یہ رحمۃً للعالمینی کی ایک شان ہے کہ اقوام بشریٰ کو ان کی تمام خودساختہ تفوقوں اور فضیلتوں سے پاک کرکے ایک ایسی اُمت کی تخلیق کی جائے جس کو امۃ مسلمۃ لک کہہ سکیں اور اس کے فکر وعمل پر شہداء علی الناس کا خدائی ارشاد صادق آسکے۔

یہ ہیں اس شمع بصیرتِ قرآنی کی ضوفشانیوں کے چند مختصر سے گوشے جو اس حکیم انقلاب نے شبتانِ ملت میں روشن کی۔ یہ وہ گہرہائے آبدار ہیں جن سے اس نے دامنِ ملت کو مالا مال کردیا۔ یہ وہ متاعِ فقیر تھی جو اس کے قافلے میں لُٹتی اور اسے سعد بختیوں سے ہمکنار کرتی گئی۔ سطح بین نگاہوں نے اسے محض شاعری سمجھا۔ لیکن یہ شاعری نہیں تھی بلکہ خدا کی زندہ جاوید کتاب کی وہ دعوتِ انقلاب تھی جس نے صدیوں کی غلام اور از خود رفتہ ملت کو احساسِ خودی سے حیاتِ نو کا ذوق وشوق عطا کیا۔ یہ مایوس اور شکست خوردہ قوم اس بانگِ رحیل سے ایک نیا ذوقِ سفر لے کر اٹھی اور نشاۃ ثانیہ کی اُمنگیں اور عزائم سینے میں لئے آزادی اور استقلال کی حقیقی منزل پر جادہ پیما ہوگئی۔ اس کی منزل اقوامِ عالم میں سب سے انوکھی منزل تھی اور اس کا ذوقِ سفر امتیازی خصوصیت کا حامل۔

مقصد نہیں بلکہ ذریعہ:

چند سالوں میں یہ کاروانِ شوق اپنی منزل تک پہنچ گیا۔ لیکن یہ منزل آخری منزل نہیں تھی۔ منتہیٰ ومقصود ایک خطۂ زمین کا حصول نہیں تھا، بلکہ اقبالؒ کے اپنے الفاظ میں مقصود یہ تھا کہ:

وہ ہیئت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانونِ الٰہی کے تابع ہو جو نبوتِ محمد یہ ﷺ کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔

’’نورِ توحید کا یہ اتمام‘‘ ابھی باقی ہے اور جب تک یہ ممکن نہ ہوا اقبالؒ کی روح مطمئن اور مسرور نہیں ہوگی۔

(ماخوذ از ماہنامہ طلوعِ اسلام، اپریل 1969ء)

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com
khawaja.azharabbas@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مغربی جمہوریت، موجودہ پاکستان اور قرآن

انسانوں نے جب مل جل کر رہنا شروع کیا تو قبیلوں کی شکل از خود بنتی چلی گئی اور آہستہ آہستہ بتدریج، ملوکیت نے جڑ پکڑنا شروع کی۔ حالات کے مطابق معاشرہ کے نظم وضبط کی صورت خود پیدا ہوتی چلی گئی۔ خود انسانی فکر نے کوئی ضابطۂ حیات تشکیل نہیں دیا۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ مختلف اشکال بدلنے کے بعد جمہوریت سامنے آئی ہے اور آج کل ہر جگہ جمہوریت کا دور دورہ ہے۔ اس لئے سابقہ ادوار کے نظاموں پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو از خود ختم ہو گئے ہیں۔ البتہ نظامِ جمہوریت پر تبصرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ ہمیں اسلامی نظام کی فوقیت و برتری ان تمام نظاموں پر دکھانی ہے جو انسانی فکر نے وضع کئے ہیں۔ جو اس مضمون کی اگلی قسط ہوگی۔

پہلی بات تو غور کرنے کی یہ ہے کہ جمہوریت کوئی نظام نہیں ہے نہ تو یہ انسانی زندگی کے مقاصد متعین کرتی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اساس و بنیاد ہے۔ ہندوستان میں تقریباً 70 سال سے جمہوریت جاری ہے۔ لیکن جمہوریت کے جاری ہونے سے ان کے عقائد و رسومات میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ نہ ہی اس نے مقاصدِ زندگی قوم کو دیئے۔ ایک آدمی ایک ووٹ کی بناء پر مساواتِ انسانی کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں ذات پات اور جاتی سسٹم میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ وہاں برہمن کو وہی مقام حاصل ہے جو ان کے معاشرہ میں مقرر کیا ہوا ہے اور جو پہلے تھا۔ دلیت Dalits، آج بھی وہاں جانوروں کی طرح سمجھے جاتے ہیں۔ جمہوریت صرف حکومت بنانے کی مشینری تک کام آتی ہے۔ اس کے علاوہ معاشرہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ لوٹ مار کرنے میں بھی یہ منتخب حضرات ایک دوسرے کی پشت پناہ بنے ہوئے ہیں۔

جمہوریت میں کوئی مستقل اقدار نہیں ہوتیں۔ حق و باطل کا فیصلہ اکثریت و اقلیت کے اصول پر کیا جاتا ہے آج ایک پارٹی کو ایک قانون بنانے کے لئے 52 فیصد ووٹ مل گئے۔ تو وہ قانون جائز ٹھہر گیا۔ کل ہی 4 ممبران اسمبلی چھوڑ کر مخالف پارٹی میں چلے گئے اور انہوں نے اپنا ووٹ اس نئی پارٹی کو دے کر اس قانون کو ناجائز قرار دے دیا، 4 ارکان کی اکثریت و اقلیت کی بناء پر حق باطل اور باطل حق بن جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اکثریت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ حضور ﷺ کو حکم ہوا وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ (6:116) اور اگر تم زمین پر رہنے والے لوگوں میں سے اکثر لوگوں کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں راہِ خدا سے گمراہ کر دیں گے۔ وہ تو صرف ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل پچو لڑاتے رہتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ مفکر، مدبر اور

محقق اور بااصول اور باضمیر لوگ نہایت قلت میں رہے ہیں اکثریت ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو صرف خیالی، بے اصولی اور اٹکل پچو باتوں کے پیچھے چلنا شروع کر دیتے ہیں اگر تم اسی اکثریت کا کہنا ماننے لگو گے، اور بے اصولی باتوں پر چلنا شروع کر دگے تو خدا کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔

آج کی دنیا پر نگاہ ڈالئے اور ان حکومتوں پر جو اکثریت کی بنیاد پر قائم ہوئی ہیں اور ان قوانین پر جو اُن کی اکثریتوں نے وضع کئے ہیں ان کو دیکھنے سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اکثریت نے کبھی اقلیت کے ساتھ نیک سلوک نہیں کیا۔ استعمار، جنگیں، خونریزیاں، شراب نوشی، قمار بازی، اسقاط حمل، لواطت، فحشاء ومنکر دوسروں کا استحصال، Exploitatin، یہاں تک کہ بعض وہ گھناونے اور باعث شرم وحیا کام، جن کے ذکر سے حیا آتی ہے۔ ایسے ترقی یافتہ ممالک میں رائج ہیں جن کو عوام کے نمائندوں کی حمایت حاصل ہوتی ہے اور جو عوام کی اکثریت کی عکاسی کرتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے فرمایا: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (12:40) اللہ تعالیٰ کے علاوہ حقِ حکومت کسی کو بھی نہیں ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں ان حصریہ ہے یعنی صرف اور محض کے معنی میں آتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو حقِ حکومت ہو ہی نہیں سکتا۔ سورۂ مائدہ میں ارشادِ عالی ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44) جو قوانین خداوندی کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں۔ اقتدار کا سرچشمہ صرف ذاتِ خداوندی ہے اس کے برخلاف مغربی جمہوریت میں اقتدار وقوت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں اس طرح جمہوریت اصل کے اعتبار سے بالکل شرک اور قرآن کے خلاف ہے ارشادِ عالی ہے وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (18:26) اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس کے حکم میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ اس کے حکم میں کسی کو شریک کرنا، اور عوام کی طرف حقِ حکومت کو منتقل کرنا شرک ہے۔ بنیادی طور پر شرک ہے۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ یہ اقتدار مطلق جس کو Sovereignty کہا جاتا ہے یعنی جس کے فیصلہ کے بعد کسی اور کا فیصلہ جاری نہیں ہوسکتا آخر ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ (21:23) اس کی پوچھ گچھ نہیں ہوسکتی ہاں ہر شخص کی باز پرس ہوگی۔ جمہوریت میں قولِ آخر وقولِ فیصل عوام کا ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے یہ نظریہ ہی غلط ہے انسان انسان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں اور کسی برابر والے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسروں پر حکومت کرے۔ یہ غلامی ہے اور یہ مقام انسانیت کے خلاف ہے۔ قرآنِ کریم نے ساری انسانیت کو عزت وتکریم دی ہے (17:70) انسانیت کے ایک حصہ کو حاکم بنانا اور دوسرے حصہ کو اس کا محکوم بنانا قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے قرآن کریم پوری ملت کو اقتدار دیتا ہے اس میں حاکم محکوم کی تفریق نہیں ہوتی (24:55) علامہ اقبال نے فرمایا کہ انسان خوئے غلامی میں کتوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی کُتا کسی کتے کی غلامی کرتا ہو۔

یعنی از خوئے غلامی زسگاں خوار تر است من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

جمہوریت کا دوسرا اصول جو قرآن کے خلاف ہے اور جو اس کا جزو لاینفک ہے وہ اس کا پارٹی سسٹم ہے۔ قرآنِ کریم

نے فرقہ بندی کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک فرقہ بندی شرک ہے (30:32) ارشادِ عالی ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿٣٢﴾ (30:31-32)

ترجمہ: اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود ایک فرقہ بن گئے اور سب فرقے اسی میں خوش ہیں جو اُن کے پاس ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ (6:160)

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقے بنا لئے ان سے تم کو (یعنی رسول اللہ ﷺ کو کوئی واسطہ نہیں)۔

اس آیت سے واضح ہے کہ پارٹی سازی کرنے والوں کا کوئی تعلق رسول اللہ ﷺ سے نہیں رہتا۔ پھر ارشادِ عالی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (3:103)

ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور پارٹیاں نہ بنانا۔

اس آیت میں الفاظ واضح اور بہت موثر ہیں۔ آیت کا پہلا حصہ موجبہ ہے اور دوسرا حصہ سالبہ ہے۔ یعنی پہلے حصہ میں یہ امر ہے کہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور دوسرے حصہ میں یہی ہے کہ پارٹی نہ بننے دینا اس طرح آیت کے مفہوم کو بہت اچھی طرح بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور پارٹی نہ بنانا۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پارٹی بنتی ہی اس وقت ہے جب اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جب تک اللہ کی رسی ہاتھ میں رہے گی فرقہ یا پارٹی نہیں بن سکتی۔ فرقہ صرف اور صرف اس وقت بنتا ہے کہ جب اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس آیت سے یہ بات نکھر کے سامنے آ گئی کہ فرقہ بندی یا پارٹی سازی کی اصل وجہ اور بنیادی سبب قرآن کو چھوڑنا ہے اور فرقہ بندی اور پارٹی سازی کا کوئی تعلق قرآن سے نہیں رہتا۔ ان تین آیات سے (30:32، 6:160، 3:103) یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرقہ بندی کرنے والوں اور پارٹی بنانے والوں کا کوئی تعلق نہ قرآن سے رہتا ہے نہ اللہ اور رسول ﷺ۔ چونکہ قرآن کریم کی رو سے دین اور سیاست میں کوئی تفریق نہیں ہوتی اور دین اور سیاست ایک ہی چیز ہوتی ہے اس لئے جمہوریت پر اور ان تمام جمہوری پارٹیوں پر ان آیات کریمات کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے جس طرح دین اور دینی اداروں پر۔ جمہوریت کا ایک بڑا عیب یہ ہے کہ اس نظام میں کوئی غریب آدمی براہِ راست کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا۔ نظامِ جمہوریت میں براہِ راست کوئی کردار وہ شخص ہی ادا کر سکتا ہے جو الیکشن میں حصہ لے اور اس کے ذریعے منتخب ہو کر کسی اسمبلی کا ممبر بن جائے اور یہ بات کسی بھی غریب آدھی کی بساط سے باہر ہے۔ انگلینڈ میں جمہوریت کسی نہ کسی شکل میں تقریباً ہزار سال سے رائج ہے کبھی بھی ان کی پارلیمنٹ میں کوئی غریب کسان، مزدور، دھوبی، مالی، بس ڈرائیور، چھوٹا دوکاندار، چھوٹا کارخانہ

دار منتخب ہو کر نہیں آیا۔ غریب تو صرف ووٹ ہی دے سکتے ہیں اور سیاستدان کسی طرح عوام کو اپنے ساتھ لگائے رکھتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس پر تبصرہ کیا ہے جو آگے پیش خدمتِ عالی کیا جائے گا۔ ہماری اسمبلیوں میں بھی ستر سال سے کوئی ایسا قانون شاید ہی پاس ہوا ہو جو غریبوں کی مشکلات دور کرتا ہو۔ گذشتہ سال کلرکوں کی تنخواہوں میں دس فیصد ہی اضافہ ہوا کلرکوں نے احتجاجا بہت جلوس نکالے لیکن ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی جبکہ اسی دوران اسمبلی کے ممبران نے اپنی تنخواہوں میں معتد بہ اضافہ کیا۔

مغربی جمہوریت کا لازمی نتیجہ سرمایہ داری ہوتا ہے۔ اس رسالہ کا تعلق کسی فرقہ یا کسی سیاسی پارٹی سے نہیں ہے البتہ جو سیاسی اور مذہبی باتیں قرآن کے خلاف ہوتی ہیں ان پر یہ رسالہ ضرور تبصرہ رقم کرتا ہے۔ جمہوریت کا لازمی نتیجہ سرمایہ داری ہوتا ہے اور اسی کا ایک شاخسانہ پانامہ لیکز ہیں۔ اس سے ملک کے کافی سرمایہ دار متاثر ہوئے ہیں۔ زیر بحث یہ بات ہے کہ اربوں پاؤنڈ کی رقوم پاکستان سے باہر جائز طور پر گئی ہیں یا ناجائز طور پر گئی ہیں۔ اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ پاکستان ایک ایسا غریب ملک ہے کہ اس کی ایک بڑی آبادی کو روزانہ کی روٹی بھی مشکل سے میسر آتی ہے۔ اس غریب ملک کے لیڈروں کو یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ وہ اربوں پاؤنڈز کے فلیٹ خرید کر ان میں رہائش پذیر ہوں۔ لیکن یہاں بحث یہ ہے کہ وہ رقوم قوانین کے مطابق گئیں یا خلافِ قانون گئیں، اور لطف کی بات یہ ہے کہ قانون سازی خود ان کا اختیار ہے۔ اگر وہ رقوم خلاف قانون گئی ہیں تو یہ خود اس کو قانون کے دائرے میں لے آئیں گے، اور اس بات کو قانون کے دائرے میں لانا کیا مشکل ہے۔ جمہوریت کے علی الرغم قرآن کے نظام میں تو یہ حکم ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۙ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (2:219)

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں اور جو ضرورت سے زیادہ ہے وہ سب دے دے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ (53:39)

ترجمہ: انسان کے لیے جائز صرف وہ ہے جو اس نے خود اپنی محنت سے کمایا۔

اور یہ دونوں حکم وہ ہیں جنہیں کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم تو دولت جمع کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ سارے قرآن میں ایک آیت ایسی نہیں ہے جس نے دولت جمع کرنے کی اجازت دی ہو۔

گفتگو سیاسی لیڈروں اور عوام کے درمیان جہنم میں ہوگی، قرآن کریم نے ان پر تبصرہ بھی کیا ہے، اور ان کے ہتھکنڈوں کا ذکر بھی کیا ہے جس سے یہ لوگ عوام کو اپنے پیچھے لگائے رکھتے تھے۔ قرآن چونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہ قانون سازی کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی حکومت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا وہ ان سیاسی لیڈروں کو اللہ کا مدمقابل ٹھہراتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ (6:123)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اکابر مجرم بنائے تاکہ ان میں مکاری کیا کریں اور وہ لوگ جو کچھ بھی مکاری کرتے ہیں اپنے ہی حق میں برا کرتے ہیں اور سمجھتے تک نہیں۔

قرآن کریم کے مطابق سیکولر (جمہوری) نظام میں زندگی بسر کرنے والا ہر فرد مجرم ہوتا ہے اور ان کے سیاسی لیڈروں کو 'اکابر مجرمین، مجرموں کا سردار کہا ہے۔ جب حضرت صالح قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے اور انہوں نے اس قوم کی اصلاح کی کوشش کی، قوم کی جو بھی حالت تھی لیکن قرآن نے یہ نشاندہی کی ہے کہ قوم کو تباہ و غارت کرنے والے صرف نو لیڈر ہیں جو قوم میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ (27:48)

ترجمہ: اور شہر میں نو لیڈر تھے جو ملک میں فساد کر رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

قرآن کریم کے مطابق تو قوموں کے بگاڑ اور اصلاح کے بارے میں سیاسی لیڈروں کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہی لیڈر وہ ہیں جو قوم کو اس منڈی میں اتارتے ہیں جہاں اس جنس کا سدکا کوئی خریدار نہیں ہوتا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ (14:28-29)

ترجمہ: ان سیاسی لیڈروں کی حالت کو دیکھو جنہیں اللہ نے بہت ساری خوشگواریاں عنایت کی تھیں۔ لیکن ان سیاسی لیڈروں نے ان خوشگواریوں کی قدر نہیں کی اور اپنی قوم کو ایسی منڈی میں اتار دیا جس میں ہر طرف کساد بازاری تھی۔ جہاں اس جنس کا سدکا کوئی خریدار نہیں تھا۔ یعنی اُنہیں تباہی کے جہنم میں ڈال دیا اور یہ کیسی بُری جگہ ہے جہاں انہوں نے اس قوم کو لا اتارا۔

اگر آپ میں حوصلہ ہے تو آپ خود ہی اندازہ فرمالیں گے کہ اس آیت نے قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک کے دور کی حالت بیان کر دی ہے۔

جہنم میں سیاسی لیڈروں اور عوام کے درمیان جو جھگڑے ہوں گے قرآنِ کریم نے ان کو متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو مطعون کریں گے کہ تم نے ہمیں غلط راستہ پر ڈالا ہے۔ یہ جھگڑے بڑے عبرت انگیز اور بصیرت فراوز ہیں۔ ان میں سے چند جھگڑے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(1) سورۂ احزاب میں ارشاد ہے کہ عوام حضرت باری تعالیٰ کے حضور کہیں گے کہ ہم اپنے جرائم کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم ان سیاسی لیڈروں کی اطاعت کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ یا اللہ تو ان لیڈروں کو دوگنا عذاب دے۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ

وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٦٨﴾ (33:67-68)

ترجمہ: اور کہیں گے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ پروردگار ہم پر تو عذاب ہے ہی مگر ان لوگوں پر دوہرا عذاب نازل کر اور ان پر بڑی بڑی لعنت کر دے۔

ان کا یہ عذر قابل توجہ نہیں ہوگا۔ ان عوام سے کس نے کہا تھا کہ تم اپنی عقل و بصیرت استعمال نہ کرو اور دوسروں کے پیچھے چلتے رہو۔

(2) سورۂ سباء میں ہے کہ جب سیاسی لیڈر عوام سے کہیں گے کہ تم خود ہی غلط راستے پر پڑ گئے تھے۔ ہم نے تو تمہیں مجبور نہیں کیا تھا کہ تم غلط راستے پر چلو۔ اس پر عوام جواب دیں گے کہ تم ہر وقت، صبح سے لیکر شام تک اس طرح کے منصوبے بناتے تھے کہ ہم تمہارے دھوکے میں آجاتے تھے۔ اس طرح تم ہمیں اپنے پیچھے لگا لیتے تھے۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ

(34:32-33)

ترجمہ: سرکش لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ جب تمہارے پاس خدا کی طرف سے ہدایت آئی تھی تو کیا اس کے آنے کے بعد ہم نے تمہیں زبردستی روکا تھا (ہرگز نہیں) بلکہ تم خود مجرم تھے اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ زبردستی تو نہیں کی مگر ہم خود بھی گمراہ نہیں ہوئے۔ بلکہ تمہاری رات دن کی فریب دہی نے گمراہ کیا کہ تم لوگ ہم کو خدا کے نہ ماننے اور اس کا شریک ٹھہرانے کا برابر حکم دیتے تھے تو ہم کیا کرتے اور جب یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں پچھتاویں گے۔

(4) سورہ ق میں ہے کہ ہم مسلک لوگوں کا ایک گروہ جہنم میں داخل ہوگا تو ان میں بھی یہی باہمی تکرار ہوگی کہ اس عذاب کا ذمہ دار کون ہے۔ اس کے ساتھ وہ بھی کہیں گے کہ وہ لوگ کہاں چلے گئے جو ہمیں دنیا میں غلط کاموں سے روکا کرتے تھے اور ہم کہا کرتے تھے کہ وہ بدترین خلائق ہیں وہ جنت میں ہوں گے (38:59)، یہ بات بیان کرنے کے بعد قرآن کریم کہتا ہے کہ:

إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ (38:64)

ترجمہ: جہنم والوں میں باہمی جھگڑے یقینی بات ہے۔

(5) سورۂ مومن میں عوام اور سیاسی لیڈروں کے جھگڑے کے بعد ہے کہ وہ لوگ جہنم کے داروغہ سے کہیں گے کہ تم ہی کچھ کرو کہ ہم پر یہ عذاب کم ہو جائے۔ لیکن اس داروغہ کو اس کا اختیار ہی نہیں ہوگا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾

(40:49)

(6) سورہ قمع میں سیاسی لیڈروں اور عوام کی دشمنی کے بجائے ان لوگوں کی باہمی تکرار کا ذکر ہے جو دنیا میں ایک دوسرے دوست تھے جہنم میں ان میں سے ہر ایک دوسرے کو مطعون کرے گا کہ اس نے بہکا بہکا کر غلط راستوں پر ڈال دیا تھا۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾ (50:27)

ترجمہ: اس کا ساتھی کہے گا پروردگار ہم نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو خود سخت گمراہی میں مبتلا تھا۔

جب ہم قرآنِ کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو جب اس میں کفار و مشرکین، منافقین اور دوسری طرف مومنین و متقین کا تذکرہ آتا ہے تو ہم اپنے خیال میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نزولِ قرآن کے دور کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب منافقین کا ذکر آتا ہے تو ہمارا ذہن حضور ﷺ کے دور کے منافقین کی طرف جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی اُن آیات کا اطلاق اس دور میں بھی بالکل اسی طرح ہو رہا ہے جس طرح حضور ﷺ کے دور پر ان کا اطلاق ہوتا تھا۔ یہ آیات ہمیں بھی Cover کرتی ہیں ان مشرکوں اور منافقوں میں ہمارا ہی ذکر ہو رہا ہے۔ مومنین و متقین میں بھی ہمارا ذکر ہو رہا ہے۔ قرآنِ کریم نے عوام اور سیاسی لیڈروں کا ان آیات میں ذکر کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے اس دور کے پاکستانی عوام اور لیڈروں پر انگلی رکھ دی ہے۔ ان آیات میں یہ سارا ہمارا ہی ذکر ہو رہا ہے۔ آپ ان آیات میں سے ہر آیت کو الگ کر کے، اس پر غور کریں اور اس کو اس وقت کے لیڈروں پر منطبق کر لیں۔ یہ رسالہ چونکہ عملی سیاست اور سیاسی لیڈروں کے احوال بیان کرنے سے اجتناب کرتا ہے ورنہ ہم خود ان آیات کو اس دور کے عوام اور لیڈروں پر منطبق کر کے آپ کو دکھلا دیتے اور آپ کو خود یہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تکملہ نظامِ جمہوریت:

ہم اپنا یہ مضمون ختم کر چکے تھے کہ اسی روز ایک بیان عدالت عظمیٰ کا اور چند روز بعد ایک بیان جناب وزیر اعظم صاحب کا سامنے آیا جو اُنہوں نے نارووال میں ایک جلسہ عام میں دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے سیاسی لیڈر روزانہ جھوٹ بولتے ہیں۔ ہر ہفتہ گوشت کا دوروزہ ناغہ ہوتا ہے لیکن یہ سیاستدان ہفتے میں ایک دن بھی جھوٹ بولنے کا ناغہ نہیں کرتے کہ اس میں جھوٹ نہ بولیں۔ دوسرا بیان جو عدالت عظمیٰ کی طرف سے آیا ہے وہ بڑا جرأت مندانہ اور حقائق پر مبنی ہے۔ اس میں محترم جج صاحب نے فرمایا کہ سراج الحق صاحب کے علاوہ پوری اسمبلی کے ممبران 63، 62 کی زد میں آتے ہیں۔ آرٹیکل 63، 62 میں یہ درج ہے کہ ممبرانِ اسمبلی کو صادق و امین ہونا چاہئے۔ محترم جج صاحب کے بیان کا مفاد یہ تھا کہ اس وقت ساری اسمبلی میں سراج الحق صاحب کے علاوہ کوئی ایک ممبر بھی صادق و امین نہیں ہے جج صاحب کا یہ بیان بڑا جرأت مندانہ ہے اور عدالت عالیہ کے جج حضرات سے یہ توقع بالکل بجا ہے کہ وہ ایسے ہی بے باک بیان دیا کریں لیکن اس بات سے سخت صدمہ اور افسوس

ہوا کہ اگلے ہی روز انہوں نے اپنا بیان Withdraw لیا۔ ان محترم جج صاحب کے بیان کو واپس لینے سے آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ ہمارا ماحول کس طرح تاریک اور سچائی سے دور ہے کہ اتنی بڑی شخصیت، جو ہر طرح کا تحفظ رکھتی ہے حق بیان کرنے کے بعد اس کو واپس لینے پر مجبور ہوگئی۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ یہ جمہوریت اور جمہوری سیاست کا لازمی نتیجہ ہے۔ جمہوریت رائج کریں اور اس کے نتائج وعواقب سے بچ جائیں یہ ناممکن بات ہے۔ جمہوریت اپنی ساخت کے اعتبار سے جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے۔ جمہوریت میں لوگوں کے درمیان اور مختلف ممالک کے درمیان جو معاہدے تحریر کئے جاتے ہیں وہ ایک خاص زبان میں ہوتے ہیں۔ ہوتے تو ہیں وہ اسی انگلش زبان میں جو ہم رات دن بولتے ہیں اور تحریر کرتے ہیں، لیکن ان کی زبان Diplomatic Language کہلاتی ہے۔ اس Diplomatic Language کے تحریر کرنے والے بھی خاص لوگ ہوتے ہیں جنہیں جھوٹ تحریر کرنے کی مہارت ہوتی ہے۔ یہ زبان اس طرح لکھی جاتی ہے کہ اس میں کوئی واضح بات نہ ہو۔ ہر فقرے کے کئی معانی برآمد ہوتے ہوں جو لوگ اس زبان کے ماہر ہوتے ہیں اُنہیں Appreciate کیا جاتا ہے کہ یہ زیادہ جھوٹ نباہ سکتے ہیں۔ یہ جھوٹ دھوکہ دہی عام ہوتی ہے، اور سب کے سامنے ہوتی ہے، لیکن اس کو سیاست میں بُرا نہیں سمجھا جاتا۔

قرآن کریم صرف اسمبلی ممبران یا عدالتوں کے ججز کے لئے ہی صدق وصداقت کو ضروری قرار نہیں دیتا وہ ہر مسلمان کے لئے صادق ہونا ضروری سمجھتا ہے (3:16)، (33:36) نیز ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ (9:119)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہنا اور سچوں کے ساتھ ہو جانا۔

جہاں تک امانت کا تعلق ہے قرآن نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ (4:58)

ترجمہ: بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحق لوگوں کو پہنچا دو۔

یہ حضرات جو اسمبلی کے ممبران ہیں یا اربابِ نظم ونسق ہیں عوام ان کو یہ اختیارات دیتے ہیں۔ یہ اختیارات یا اقتدارات ان کے ذاتی نہیں ہوتے۔ جب آپ ووٹ دیتے ہیں تو اپنا اختیار آپ ان کے سپرد کرتے ہیں کہ میری طرف سے تم وہاں یہ بات کرنا۔ اپنے اختیارات اس کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہیں۔ لیکن ہماری اسمبلی میں تو ایک ممبر بھی اس کا اہل نہیں ہے۔

صدق وامانت کی گفتگو کا جمہوری حکومت سے کیا تعلق۔ گفتگو کرنا ہی بے ربط اور بے سود ہے۔ اور اسی حسرت کے ساتھ ہم اپنا تبصرہ یہاں ختم کرتے ہیں۔

❁❁❁❁

اعجاز رسول، گلاسگو، یوکے
erasool@aol.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن: مکافاتِ عمل، موت اور انسانی عقل

جیسا کہ ہمیں علم ہے کہ قرآن نے انسانی تخلیق کا مقصد انسان کے اعمال کا پورا پورا نتیجہ نکالنا بتایا ہے (45:22) اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور قرآن اس پورے Process کو تفصیل کے ساتھ مثالیں دے کر واضح کرتا چلا جاتا ہے (کتاب ''جہانِ فردا'' اس سارے عمل اور طریقہ کار پر بھرپور انداز سے روشنی ڈالتی ہے)۔

مکافاتِ عمل کا انسانی موت اور انسانی عقل کے استعمال کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ہمیں علم ہے کہ ہم جو بھی عمل کرتے ہیں اُس سے پہلے ہمارے دل و دماغ میں خیال آتا ہے یا آتے ہیں۔ ہم کوئی عمل بھی بغیر خیال آئے نہیں کر سکتے۔ پھر ہم نے یہ بھی تجربہ کیا ہے کہ ہم ہر خیال کو عمل تک نہیں لے جاتے اور بے شمار خیالات آتے ہیں جن کو کبھی کبھی عمل تک نہیں لے جاتے خیال ہی میں ہماری خواہشات بھی ہوتی ہیں۔ خیالات کے آنے کے ساتھ ہماری عقل یہ فیصلہ بھی کرتی ہے کہ کون سے خیالات ایسے ہیں جو کہ آگے عمل کی طرف جا سکتے ہیں اور کون سے ایسے ہیں جن کا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ اچھا نہ نکلے۔ ایسے خیالات کو ہم آگے عمل کی حد تک نہیں جانے دیتے۔ اس عمل یا Process میں ہماری عقل یہ فیصلہ بھی کرتی ہے کہ کسی خیال یا خواہش کو پورا کرنے میں اُس کا اپنا کیا فائدہ ہے۔ اگر اُس میں اُس کو اپنا فائدہ نظر نہیں آتا تو وہ اس پر کم ہی راضی ہوتی ہے۔ کہ اس پر عمل کیا جائے یا اس پر مزید غور و فکر کیا جائے۔ مزید غور بھی اُسی صورت میں ہوتا ہے جب اس میں عقل کو کوئی فائدہ نظر آئے خاص کر IMMEDIATE GAIN۔

یہاں ہم انسانی Behaviour کے متعلق عام مشاہدہ سے کچھ باتیں درج کرتے ہیں۔ یہ سب انسانوں میں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں۔

(1) ہر انسان اپنی خوشی کو بڑھانا چاہتا ہے اور اپنے غم کو کم کرنا چاہتا ہے۔

(2) انسان اپنی خواہشات کی تکمیل کرنا چاہتا ہے اور اُس کی تمام زندگی اسی کوشش میں گزر جاتی ہے۔

(3) انسان اپنی کوششوں کا رزلٹ فوراً مانگتا ہے اور اُس کی کوشش ہوتی ہے کہ اُسے اپنے مفاد میں جلد کامیابی ہو جائے۔

(4) اکثر انسانوں کی زندگی بنیادی سطح پر جذباتی (Emotive) ہوتی ہے۔ اور Rational Thinking وہ صرف اپنے کام وغیرہ پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ جذباتی زندگی ہی انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ مسائل پیدا کرتی ہے۔

(5) انسان برائی کو اچھائی کی نسبت زیادہ Recognise کرتا ہے۔ مثلاً بہت لوگ ایک غلطی کی وجہ سے کسی انسان

کی تمام خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ شادیاں ناکام ہو جاتی ہیں۔

(6) انسانی عقل انسانی جذبات کے تحت کام کرتی ہے۔ انسان عقل کو استعمال کرتا ہے اور اپنی خواہشات کو تکمیل تک لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی انسانی کوشش سے دنیا میں جھگڑے اور الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔

(7) انسان اپنی کامیابیوں کو دوسروں کے ساتھ Share کرتا ہے لیکن اپنی کمزوریوں کو چھپاتا ہے اس میں ناکامیاں بھی شامل ہیں۔

(8) انسان کے پاس چونکہ اختیار و ارادہ ہے۔ اس لئے اس کے اندر کوئی Guidance نہیں ہے۔ ہم اس کو خود چیک بھی کر سکتے ہیں۔

ہم اپنے خیالات اور خواہشات کو جانچتے بھی ہیں اور یہ جانچ ہماری اقدار پر منحصر ہوتی ہے۔ مثلاً جو حضرات مذہبی ہیں وہ اپنے مذہب کے عقائد کے مطابق اپنے کردار کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں مذہب کی عبادات وغیرہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ جو حضرات سیکولر ذہن کے ہیں وہ اپنے عقائد اور اقدار کے مطابق اپنی زندگی کے کردار کو چلاتے ہیں۔ زندگی کی اس دوڑ میں ہم ایک دوسرے سے بھی سیکھتے ہیں اور کتابوں کی پڑھائی سے بھی علم حاصل کر کے اپنے Behaviour میں تبدیلی لاتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنے کے لئے قانونِ مکافات پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ قرآن ہماری قانونِ مکافات کے طریقہ کار کی طرف بار بار توجہ لے جاتا ہے۔ مثلاً (2:177) میں قرآن نے ایمان کی جزئیات کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن پر ایمان لانے کے بعد یہ اعمال صالح انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح غلط کاموں کے بعد قرآن نے جہنم کی آگ کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کی تعلیم میں یہ بہت اہم نقطہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ Cause and effect کس طرح ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ انسان بھی ایک دوسرے پر شاہد ہیں یعنی ہم ایک دوسرے کو Judge کرتے ہیں۔ یہ بھی مکافاتِ عمل کا ایک حصہ ہے۔

موت ہر انسان کی زندگی کا اہم حصہ ہے۔ جب ہم زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں دوسروں کی موت سے واسطہ پڑتا ہے۔ آج کل کی دنیا میں جہاں خبریں 24 گھنٹے نشر ہوتی ہیں ہم کسی نہ کسی زمین کے حصہ میں انسانی موت اور ہلاکت کے متعلق سنتے رہتے ہیں۔ کہیں قدرتی آفات سے اور کہیں انسانی اعمال سے دوسرے انسانوں کی موت واقع ہوتی رہتی ہے۔ لیکن ہم میں سے بہت کم ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں بھی ایک دن موت آئے گی۔ موت کے متعلق میڈیا بھی الفاظ کے استعمال میں احتیاط برتتا ہے۔ چونکہ دُنیا میں بنیادی طور پر دو ہی Concepts پر انسان زندگی گزارتا ہے۔ پہلے عقیدہ کے مطابق زندگی موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے عقیدہ کے مطابق زندگی موت کے بعد بھی آگے جاتی ہے۔ جو انسان دوسرے عقیدہ کے مطابق اپنی عقل کو Convince کر کے قرآن کی اقدار کے تحت زندگی گزارتے ہیں اُن کی اس دنیا کی زندگی بہت مختلف ہوتی ہے بہ نسبت پہلے عقیدہ کے انسانوں سے۔ اگر یہاں ہم اپنی عقل کو ایمان پر Convince کر دیں

اور یہ اس یقین پر مبنی ہو کہ زندگی Logically موت کے بعد آگے جانا ہے اور قرآن ہی وہ اقدار اور اصول پیش کرتا ہے جن کے ذریعہ انسانی ذات پرورش پاسکتی ہے۔ تو پھر ہم اس ایمان کو اعمال صالح سے مزید Grow کر سکتے ہیں۔ ایسے انسان پھر اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ انسانی مسائل کو وحی کی روشنی میں حل کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صلاحیت کو حاصل کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآنی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کچھ وقت چاہئے۔ پھر اس سارے عمل میں دوسرے انسانوں کو بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح کے انسان ملکر ایک جماعت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اور اس طرح دین کا نظام قائم ہوسکتا ہے۔ یعنی افراد سے Collective سسٹم کی طرف بتدریج۔

انسانی عقل موت کو ایک منفی واقعہ سمجھتی ہے اور اس کو قبول کرنا قرآن کی روشنی کے بغیر بہت مشکل ہے۔ خودکشی بھی وہی انسان کرتے ہیں جو زندگی سے گھبرا گئے ہوتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ موت سے اُن کی زندگی کے مسائل سے فراغت مل جائے گی۔ یعنی عقل موت کو بہتر تسلیم کرتی ہے۔ ورنہ انسان عام طور پر خودکشی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

جذبات کو انسانی عقل کے تابع لانا اور عقل کو وحی کی روشنی میں استعمال کرنا ہی انسانی ذات کو پرورش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہاں ہمارا کام ہے کہ اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایمان اور اعمال صالح سے پہلے والی زندگی اور پھر ایمان لانے کے بعد اندر کی تبدیلی اور اعمال صالح کے ساتھ مزید اندر کی تبدیلی۔

ایمان نام ہی اس بات کا ہے کہ انسانی عقل خود اپنی مرضی سے قرآنی پیغام پر یقین پیدا کرے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہدایت پر مبنی ہے اور جس مقصد کے لئے اتاری گئی ہے یہ اس مقصد کو پورا کر دکھاتی ہے۔ بشرطیکہ انسان اس کی سچائی پر اُس طرح ایمان لاکر اعمالِ صالح کرے جس طرح اس میں درج ہے۔ اس ایمان کا ایک اہم جزو یہ بھی ہے کہ انسان خود پڑھ کر اور مشاہدہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچے کہ قرآن کے اندر جو اقدار اور اصول دیئے گئے ہیں وہ انسانی عقل خود بنا نہیں سکتی۔ کیونکہ انسانی عقل صرف اپنا فائدہ اور مفاد کا ہی سوچ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کہا ہے کہ انسان اس جیسی سورۃ نہیں بنا سکتا کیونکہ انسانی عقل جب اس طرح اپنے طور پر سوچ ہی نہیں سکتی تو وہ اس طرح کا پیغام کبھی بھی بنا نہیں سکتی۔ یہ ایک بہت اہم اور ضروری نقطہ ہے۔ لیکن انسانی عقل قرآن کے پیغام ہدایت کو سمجھ کر اُس پر عمل کر کے وہ نتائج حاصل کر سکتی ہے جو کہ قرآن نے واضح طور پر مثالوں کے ذریعہ سمجھائے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن سے چند ریفرنس درج ہیں۔

آیت (4:135) میں عدل کا حکم آیا ہے اور اس میں کہا ہے کہ عدل کرو اگرچہ یہ تمہارے اپنے خلاف بھی کیوں نہ ہو۔ یہ ایک عظیم حقیقت ہے کہ کوئی بھی انسان مکافاتِ عمل سے باہر نہیں ہے۔ اگر وہ انسان غلط نظام کی وجہ سے جرم سے بچ بھی جائے تو آیت کے آخر میں یہ کہہ کر اس کو Confirm کر دیا کہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کو سب کے متعلق علم ہے۔ ذرا سوچئے کہ یہ کئی انسان کسی سوچ Outcome ہوسکتی ہے؟

آیت (2:177) میں جو تفاصیل آئی ہیں۔ اُن کو بار بار پڑھیں۔ کیا کوئی انسان ان مندرجات کے متعلق اپنے طور پر

سوچ سکتا ہے؟

آیت (2:129) میں کہا ہے کہ دین کے نظام میں ضرورت سے زیادہ کو گردش میں رہنا چاہئے۔ کیا کوئی انسان جو بنیادی طور پر مادیت کا خوگر ہے اس طرح سوچ سکتا ہے؟ ضرورت کو پہلے عالمی طور پر دیکھ لیں اور ہر انسان کو برابر تصور کریں تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ نفس کی پرورش کے لئے یہ اصول کتنا اہم ہے۔

آیت (2:221) میں نکاح کے سلسلہ میں ایمان کو شرط قرار دیا ہے۔ اس پر غور کریں کہ اس میں کتنی بڑی حقیقت پوشیدہ ہے۔ کہ انسان کی شکل وصورت اہم نہیں بلکہ اس کی انسانی Psyche جو کہ اُس نے خود محنت سے حاصل کی ہے وہ اصل ہے۔ کیا عام انسان اس پر خود بخود پہنچ سکتا ہے؟

آیت (2:141) میں کہا ہے کہ اپنی توانائی کو غیر ضروری ماضی کی بحثوں میں مت ضائع کرو۔ آپ سے اس کے متعلق پوچھا ہی نہیں جائے گا۔ آپ غور کریں کہ قرآن کس طرح انسان کی ذہنی توجہ اور توانائی کو غیر ضروری سوچ سے بھی Save کرتا ہے اور مستقبل کے متعلق سوچنے کی دعوت دیتا ہے اور اس میں اگلی زندگی ہر وقت شامل رکھتا ہے کیا یہ آیت کسی انسانی فکر کا Outcome ہوسکتی ہے؟

آیات (59:18-19) کو چند بار پڑھیں اور غور کریں کہ ان میں کتنی بڑی حقیقتیں پوشیدہ ہیں۔ انسان کے سامنے اُسکی مستقبل کی زندگی پر اُس کے اعمال کا اثر اس خوبصورتی سے ایک آیت میں لکھ دیا ہے اور پھر انسانی ذات یعنی نفس کی تعریف کردی ہے اور ایک CRITERIA لکھ دیا ہے کہ انسانی ذات کو ایک ماڈل کی ضرورت ہے۔ تاکہ اُس کی نشوونما ہوسکے۔ کیا کوئی انسان فکری طور پر ایسا سوچ سکتا ہے؟ یہاں تو بہت سے انسان اس کو پڑھ کر بھی اس پر غور نہیں کرتے۔ قرآن کی ہر آیت پر غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم خود مشاہدہ کریں کہ مکافاتِ عمل کا قانون کس طرح ہماری زندگی بھر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے واضح ہے کہ قرآن انسانی فکر کی Outcome نہیں ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے انسان کو اپنی عقل کو استعمال کرنا پڑے گا ورنہ وہ ان حقیقتوں سے کبھی بھی اپنی عملی زندگی میں فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ ایک مشکل کام ہے۔ لیکن ناممکن نہیں۔ اس میں انسان کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے اور ظاہر ہے کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کے لئے انسان کو عقل اور محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے لئے انسان کو سوال پوچھنے پڑتے ہیں اور خواہش پیدا کرنی پڑتی ہے۔ پھر مسلسل اپنی سوچوں اور اعمال کو پرکھنا پڑتا ہے تاکہ وہ قرآنی اقدار کے مطابق ہوجائیں اور پھر انسان خود مشاہدہ کرے کہ دین کے نہ ہونے سے انسانیت اُس مقصدِ حیات سے کتنی دور ہے۔ جس کو قرآن حیاتِ جاوداں کے نام سے پکارتا ہے۔

قرآن نے نہ صرف ابدی اقدار اور اصول دیئے ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ انسانی ماڈل بھی نوٹ کئے ہیں یعنی ایسے انسان جنہوں نے اپنی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھا کر حیاتِ جاوداں حاصل کرلی اور انسانیت کے مسائل بھی حل کئے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی بحیثیت ایک ماڈل پورے قرآن میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ اُنہوں نے مکی زندگی میں قرآنی تعلیم کے ذریعہ صحابہؓ

کی مدد کی اور فکری طور پر ایک چھوٹی جماعت بنی جو کہ بعد میں مدینہ کی ریاست میں Nucleus بنی اور اسلامی نظام قائم ہوا رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی اس Nucleus کو قرآن سے باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی جیسا کہ آیت (5:109) سے ظاہر ہے۔ اس طرح کی اور آیات بھی ہیں جن سے قرآن بحیثیت ہدایت انسان کے لئے مکمل کتاب ہے۔ یہ ایک بہت اہم نقطہ ہے جس کے متعلق انسانی عقل کو اپنے آپ کو Convince کرنا Absolutely اہم ہے۔ اگر اس نقطہ کو ہم Grasp نہیں کرتے تو دین اور قرآن کے باہمی تعلق کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔

میں ایک دفعہ پھر نوٹ کر دوں۔ رسول اللہ کو دین کی اقامت کے لئے قرآن سے باہر جانے کی کبھی بھی ضرورت نہیں پڑی اور اس کا ثبوت قرآن کے اندر موجود ہے۔ اس لئے جو بھی انسان دین کی اقامت میں اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتا ہے۔ اُس کو صرف اور صرف قرآن کے اندر رہ کر اس کا حل ڈھونڈنا ہوگا اور اللہ سے اس کام کے لیے مدد لینی ہوگی۔ یعنی قرآن ایک کیمسٹری کے فارمولا کی طرح Accurate اقدار اور اصولوں کی کتاب ہے اور اس سے Deviation کبھی بھی قرآنی نتائج نہیں پیدا کر سکتی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ جو بھی انسان یہ بیڑہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔ اُنہیں اپنی عقل کو قرآن کو پڑھ کر اس بات سے Convince کرنا ہوگا کہ قرآن مکمل ہے اور اللہ کی رفاقت دین کے سلسلہ میں صرف اور صرف اس سے مل سکتی ہے۔ اس طرح عقل کو اس بات پر پوری طرح آمادہ کرنا ایمان کا حصہ ہے۔ ظاہر ہے اس کے لئے کچھ عرصہ درکار ہے اور مومنین کو اکٹھے ہونے کی ضرورت ہے اور جو بھی Steps ہم اس سلسلہ میں لیتے ہیں وہ اقامت الصلوٰۃ کا ایک حصہ ہیں۔

ابھی ہم موت کی اہمیت کی طرف آتے ہیں۔ جب ہم قرآن کی روشنی میں ایمان اور اعمال صالح سے ایک ''نئی زندگی'' کا سفر شروع کرتے ہیں تو اس سے ہماری بصیرت انسانی مسائل کو اس طرح دیکھنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ جس طرح قرآن یا اللہ کی ذات چاہتی ہے کہ ہم ان کا مشاہدہ کریں۔ مسائل کا حل اُسی وقت ڈھونڈا جا سکتا ہے جب ہم پہلے مسائل اور اُن کی حقیقت کو سمجھ جائیں۔ مسائل کے حل میں وقت کی بہت اہمیت ہے۔ موت کی موجودگی ہمیں وقت کی کمی اور اہمیت کا احساس دلاتی ہے۔ اس لئے قرآن حقیقتوں کو ظاہر کر کے وقت اور ہماری کوششوں کو Economise کر دیتا ہے اور ہماری توجہ کو فوکس کر دیتا ہے۔ اُن معاملات پر جو بہت اہم ہیں۔ اس میں تعلیم و تربیت بھی بہت ضروری ہے تاکہ مستقبل کے مومنین تیار ہو سکیں اور نظام دین ناکام نہ ہو جائے صرف اس وجہ سے کہ اُس کو قرآنی مومنین میسر نہ ہو سکے۔ یاد رکھیں کہ انسانی نظامِ حکومت جو کہ دین پر قائم ہو اُس کے لئے قرآنی مومنین کی ضرورت ہوگی جو کہ اللہ کے نام پر دین کو چلائیں گے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو طاغوتی نظام پھر واپس آ جائے گا۔ یہ ایک اہم نقطہ ہے جس کو مکافاتِ عمل کی روشنی میں ہمیں ذہن میں رکھنا ہوگا۔ انسانی عقل کو اس نقطہ کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔ اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب ہماری ذات ایک معیار سے زیادہ Develop ہو گئی ہوگی۔

ادھر سے ہم نے دیکھ لیا ہے کہ قرآنی عقل سوائے نیند کی حالت میں ہر وقت ان باتوں کا خیال رکھتی ہے:

(1) اپنی ذات کی نشوونما کو اُس لیول تک لے جائے اور جتنی جلدی ہو سکے لے جائے تا کہ (24:55) کے مطابق ایمان اور اعمال صالح اُس کو اس قابل بنا دیں کہ انسانی مسائل کو حل کرنے کے لئے اس دُنیا میں اقتدار حاصل ہو جائے۔

(2) موت ایک Deadline کی طرح اُس کے سامنے رہے تا کہ کم وقت کا احساس رہے تا کہ انسان اپنی کوششوں کو پیہم جاری رکھے اور اپنی Effects میں کمی نہ آنے دے۔ اگر ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو اور دروازوں کو تلاش کرے۔ قرآنی ایمان کا تقاضا ہے کہ مومن کبھی بھی رُک کر بیٹھ نہیں جائے کہ ابھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی ذات حیّ القیوم ہے اور مومن کے لئے اللہ کی ذات ماڈل۔ اس لئے مومن کے جسم میں جان اور دماغ میں سوچنے کی طاقت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی کوشش جاری رکھے۔

(3) اللہ کی ذات بحیثیت ایک ماڈل اُس کے سامنے 24 گھنٹے اور سات دن رہے اور انسان اپنے مشاہدہ اور اعمال سے اللہ کے Attributes (اسماء الحسنیٰ) کو Study کرے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآنی اقدار اور اصولوں کو عملی طور پر دیکھے کہ اُن کے نہ ہونے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے اور اگر ہوں تو کتنے بہتر نتائج نکل سکتے ہیں اسی سے انسانی ذات میں وسعت پیدا ہوتی ہے ظاہر ہے اس Process میں کبھی کبھی غلطی کا بھی امکان ہے اور اُس کے بعد اصلاح سے انسان کے سامنے مختلف Aspects آئیں گے جو کہ انسان کو مسائل کو سمجھنے میں مدد دیں گے۔

(4) اپنے وقت کی سیاست اور معاشی حالات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ قرآنی تعلیم کی روشنی میں انسانیت کو اپنی موجودہ پوزیشن سے آگے جانا ہے۔ اس میں Technology وغیرہ بھی شامل ہے۔ یاد رکھیں قرآنی اصول اور اقدار ابدی ہیں اور چونکہ یہ انسان کے باہمی معاملات کے ساتھ Deal کرتے ہیں اور ہمارے باہمی معاملات ہر دور میں وہی رہتے ہیں اس لئے یہ ناقابل تبدیل رہتے ہیں۔ عقلِ انسانی کو اس بات پر مشاہدہ سے Convince کرنا لاینفک ہے۔ اگر ہم اس بات کو نہیں سمجھتے تو دین کا نظام بھی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

نوٹ: اس اصول کو سامنے رکھئے تو ہمیں قرآنی ہدایت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری کوششوں کو کم سے کم وقت میں بہترین نتائج سے روشناس کروایا ہے۔

(5) یہاں پر ایک اور اہم بات کا ذکر ضروری ہے۔ قرآن عقل اور Reasoning کے استعمال پر بہت زور دیتا ہے۔ بلکہ انتہائی زور ہے۔ اختیار و ارادہ ہی انسان کو انسان بناتا ہے اور قرآن اس کو تخلیق انسانی کی وجہ قرار دیتا ہے (45:22)۔ قرآن کی ہدایت کہ رضا کارانہ طور پر قبول کرنے سے انسانی عقل اس بات پر راضی ہوتی ہے کہ اُس کے سامنے جو تمام راستے کھلے تھے اُس میں سے یہی وہ راستہ ہے جو کہ وحی اللہ کی روشنی میں روشن ہے اور اُس کے لئے بہترین ثابت ہوگا اور ہو رہا ہے۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے۔ جو کہ باقی غلط راستوں سے علیحدہ ہے اور انسان کے سامنے دوسرے غلط راستے بھی ظاہر ہیں کیونکہ اُن کے نتائج دوسرے انسان ظاہر کرتے ہیں جو اُن پر چل رہے ہوتے ہیں۔ اس میں تاریخ انسانی کی تعلیم بھی ہماری مدد کرتی ہے۔ اس لئے ہمیں دوسرے Choices سامنے رکھنے چاہئیں تا کہ ہمیں صراطِ مستقیم کی اہمیت کا احساس

سامنے رہے۔ یعنی یہ احساس کہ جبکہ میرے پاس سارے راستے کھلے تھے میں نے اپنی عقل کو اس پر رضامند کیا ہے کہ قرآنی راستہ ہی مجھے حیات جاوداں کے قابل بنادے گا اور میں حضرت ابراہیم کی طرح (6:79) اس پر گامزن رہوں گا۔

(6) عقل انسانی کے اپنے مشاہدہ اور کتابوں کی Study سے اس نتیجہ پر پہنچنا چاہئے کہ انسانی دُنیا میں ہر غلط اور صحیح کام اور اُس کے نتیجہ میں کوئی نہ کوئی انسانی ہاتھ ہوتا ہے۔ اس سے جتنی جلدی ہو سکے ایک مومن اپنے آپ کو یعنی اپنی عقل کو اس بات پر Convince کرے کہ انسانی دُنیا میں انسان کے اُوپر عظیم ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور وہ اس دنیا میں (Within His Physical or Limitations) بالکل آزاد ہے اور اُسے ذہنی لیول پر پوری آزادی ہے کہ وہ جو جی میں آئے سوچے اور اپنے دائرہ اختیار میں جو چاہے کرے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی جان لینے میں بھی بالکل آزاد ہے۔ یہ ہم اپنے مشاہدہ اور میڈیا کی Study سے آج بہت جلد معلوم کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی اخبار اٹھالیں اُس میں انسانی سوچ اور اعمال پر خبریں بھری پڑی ہونگی جس میں انسان کی کارستانیوں کا ذکر ہوگا۔ اگر نتائج غلط نکل رہے ہیں تو انسان اُس کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ اگر حالات پہلے بہتر تھے اور اب خراب ہو گئے ہیں تو اس کا تجزیہ مکافاتِ عمل کی روشنی میں کریں اس کے پیچھے بھی انسانوں کا ہاتھ ہوگا۔

(7) قرآنی فکر رکھنے والے انسانوں یعنی مومنین کو مکافاتِ عمل کے قانون کے مطابق پوری انسانی دنیا کو ایک یونٹ کے طور پر دیکھنا ہوگا ورنہ بات سمجھ نہیں آئے گی۔ یہ جو دُنیا قوموں میں بٹی ہوئی ہے یہ انسانی غلط تقسیم ہے۔ اللہ نے ان حدود کو غلط قرار دیا ہے اور تمام انسانیت کو بنیادی طور پر (In Physical Sense) ایک Community قرار دیا ہے۔ سرمایہ داری کے نظام کی ضرورت ہے کہ انسانیت بٹی رہے تاکہ طاقتور اور دولتمند دوسرے کمزور اور غریب انسانوں کی محنت کو لوٹ سکیں اگر ہم قرآنی تعلیم کے باوجود ان قوموں سے باہر نہیں دیکھ اور سوچ سکتے پھر ہمیں کبھی بھی مکافاتِ عمل کے قانون کی پوری طرح سمجھ نہیں آسکتی اور اس کے Effect کے طور پر ہم قرآنی فکر سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ایک مومن نے چونکہ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو نباہنا ہوتا ہے اس لئے اُسے انسانی دُنیا کو اُس طرح دیکھنا ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات دیکھتی ہے۔ یہ ایک بہت اہم نقطہ ہے جو کہ دین کے نظام کے خدوخال کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہاں پہنچ کر انسانی عقل اپنے آپ سے نکل کر Universal بصیرت پیدا کر لیتی ہے۔ اسی کی طرف آیت (3:133) اشارہ کرتی ہے۔

(8) قرآنی اقدار، اصول، اسماء الحسنیٰ اور مشاہدہ کی روشنی میں ہمیں تمام انسانی عقائد کا بھی جائزہ لینا ہوگا تاکہ ہم جان سکیں کہ وہ عقائد جو کہ قرآنی معیار کے خلاف ہیں کس طرح انسانی ذات کو آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ مثلاً قسمت کا عقیدہ قانونِ مکافاتِ عمل اور انسانی اختیار وارادہ کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ سے انسان اپنی سوچ اور عقل کو خود ہی (Self-limit) مقید کر دیتا ہے۔ ہر وہ عقیدہ جو قرآنی تعلیم کے خلاف جاتا ہے وہ اپنے Harmful اثرات کا حامل ہے اور Virus کی طرح انسانی ذات کی پرورش میں مانع ثابت ہوتا ہے اور قرآنی ایمان کے راستے میں حائل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بہت اہم نقطہ ہے۔ جس کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ انسانی ذات اور جسم کا سفر صرف آگے کی طرف جاتا ہے۔ موت انسانی جسم کے سفر کو ختم کر دیتی

ہے اور انسان اس دُنیا سے جانے کے بعد کبھی بھی واپس نہیں آئے گا۔ انسانی ذات جو کہ قرآنی ایمان کے ذریعہ Originate ہوتی اور ایک Seed کی طرح ہوتی ہے وہ اعمال صالح سے پروان چڑھتی ہے۔ اگر اس قرآنی ایمان میں وہ عقائد آجائیں جو کہ غیر قرآنی ہوں اور مکافاتِ عمل کے قانون کے خلاف ہوں تو کیمسٹری کے فارمولا کی طرح وہ Seed نہیں بنے گا جو کہ قرآنی اعمالِ صالح سے ہی Grow ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے جو کہ انسان کی خواہش ہوگی یعنی قرآنی جنت۔ یہ ایک بہت اہم نقطہ ہے جس کو قرآن نے (18:103-107) میں تفصیل سے نوٹ کر دیا ہے۔ باقی قرآنی تعلیم اس پر شاہد ہے اور ہم اس کو اپنی زندگی کے مشاہدہ سے اپنی عقل کو ثبوت بھی مہیا کر سکتے ہیں۔

(9) مکافاتِ عمل کے قانون کے مطابق جیسی سوچ اور اعمال ویسی ہی انسانی زندگی۔ اس کے ثبوت کے لئے ہم چند آپ بیتیاں پڑھ لیں بات بالکل واضح ہوجائے گی۔ آج جہاں دنیا کھڑی ہے اور اس کے مسائل ماضی کے واقعات کے ساتھ منسلک ہیں۔ Cause and Effect کی کڑیاں پیچھے لے جائیں تو ہم پر یہ واضح ہوجائے گا کہ انسانی سوچ اور اعمال انسانی دُنیا پر اپنے مکمل اثرات چھوڑتے ہیں۔ عام طور ایک سوال جو کہ انسان کے ذہن میں اُٹھتا ہے کہ بہت سارے انسان ایسے ہیں جو کہ قرآنی ایمان نہیں رکھتے لیکن اچھے اعمال کرتے ہیں کیا اللہ کی ذات اُن کو جہنم میں بھیج دے گی؟

اس سلسلہ میں ایک بات ذہن میں رکھ لیں کہ اللہ کی ذات نہ کسی انسان کو ''جنت'' میں بھیجتی ہے اور نہ ہی ''جہنم'' میں بھیجتی ہے۔ انسان اپنے اعمال کے ذریعے اپنی جنت یا جہنم کماتا ہے۔ اس کا ثبوت اسی دنیا میں ہمارے سامنے ہے۔ قرآن صاف طور پر ہمیں Inform کرتا ہے کہ اگر انسانی زندگی مسائل سے بھرپور ہے تو یہ اس لئے ہے کہ انسان کی سوچ اور اعمال غلط راستے پر ہیں۔ یعنی انسان قرآنی اقدار اور اصولوں کے خلاف زندگی گزار رہا ہے۔ قرآن اس کو کفر کی زندگی قرار دیتا ہے۔ قرآنی زندگی کو وہ جنت سے تعبیر کرتا ہے جو کہ قرآن کے اصولوں سے مرتب ہوتی ہے اور اسے اسلام کی زندگی یا دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر ہمیں قانون کا علم نہیں ہے تو اس سے مطلب یہ نہیں کہ اگر ہم قانون کے خلاف جائیں گے تو اس کا نقصان نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر کسی کو علم نہیں کہ آگ جلاتی ہے۔ اگر وہ انگلی آگ میں لاعلمی میں ڈالے گا تو آگ پھر بھی قانون کے مطابق جلائے گی۔ اسی طرح ہماری سوچیں اور خیالات ہماری ذات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ہمارے عقائد غلط اور صحیح اپنے اپنے اثرات ہماری ذات پر مرتب کرتے ہیں۔ ان سے انسان کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکتا۔ چاہے اُس کا علم انسان کو ہو یا نہ ہو (6:70)۔ اس لئے مکافاتِ عمل کے قانون سے لاعلمی ہمیں اس کے اثرات سے نہیں بچا سکتی۔

یہاں سے ہم اس کو چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں:

(ا) اگر انسان اُس جنت کا خواہشمند ہے جو کہ قرآن کے ایمان اور اعمالِ صالح سے ملتی ہے۔ تو اُس کو قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق اُس طریقہ کار پر عمل کرنا ہوگا جیسے قرآن نے تفصیل سے بیان کیا ہے (پرویز صاحب کی کتاب جہانِ فردا دیکھئے)۔ اس ''جنت'' کے اثرات اسی دنیا سے ہی شروع ہوجاتے ہیں۔ اس میں انسانی عقل موت کو ایک رکاوٹ سمجھنے کی

بجائے ایک ایسا مرحلہ سمجھتی ہے جس سے دوسری اونچی لیول کی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اس میں انسان جس کو مومن کہتے ہیں انسانی مسائل کا حل دین کے قائم کرنے کے ساتھ منسلک کرتا ہے اور وہ چونکہ اپنی سوچ کی تبدیلی سے فائدہ اٹھاتا ہے اس لئے اُس کی خواہش بن جاتی ہے کہ دین کے لئے وہ دوسرے انسانوں کو اس کی دعوت دے تاکہ وہ بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

مومن آہستہ آہستہ ایسی ذات کا مالک بن جاتا ہے جس کے مطابق وہ اس انسانی دُنیا میں ہر طرف اللہ کے قوانین کی کارفرمائی دیکھتا ہے اور وہ ہر وقت اللہ کی موجودگی میں اپنی زندگی گزارتا ہے (57:4) اپنی سوچ اور اعمال کی ذمہ داری لیتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق اعمال صالح انجام دیتا ہے۔ اللہ کی ہدایت یعنی قرآن سے چونکہ فائدہ لینا ہوتا ہے اس لئے وہ دوسرے انسانوں کو اس پیغام کو پہنچاتا ہے۔ اُسے علم ہوجاتا ہے اپنے مشاہدات اور قرآنی تعلیم سے کہ وہ ایسا قرآن کے بغیر نہیں کرسکتا تھا۔ جیسا کہ آیت (3:103) میں بتایا گیا ہے۔ چونکہ اس زندگی کا قرآن کے مطابق اگلی زندگی سے تعلق ہے اس لئے وہاں کی جنت میں بھی مومن کو اللہ کی رفاقت ملے گی۔ یعنی ہر کام اُس زندگی میں اللہ کی موجودگی میں ہوگا۔ جس کا اس زندگی کی طرح مومن کو ہر وقت احساس ہوگا۔ یہی وہ نقطہ ہے جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ مبذول کروائی جب وہ فرعون کی طرف جارہے تھے (20:44)۔

(ب) اگر انسان عیسائیت کے عقیدہ کے مطابق اُس جنت کا خواہشمند ہے جو کہ مذہب عیسائیت کے مطابق ملے گی تو انسان کو اُس پر اپنی مرضی سے چلتے رہنا چاہئے۔ لامحالہ ایسی جنت کی موجودگی کے لئے انسانی عقل کو Convince کرنا پڑے گا کہ ایسی جنت ممکنات میں شامل ہے۔

(ج) اسی طرح سُنی عقیدہ کے مطابق انسان اُس جنت کے حصول کے لئے کوشش کرتا رہتا ہے جو کہ اس عقیدہ اور اُس کے لوازمات یعنی عبادات کے نتیجہ میں حاصل ہوگی۔

(د) شیعہ عقیدہ کے مطابق انسان اُس جنت کو پالے گا جو اس عقیدہ میں Believe کرنے والے اپنی عقل کو اس پر رضامند کرلیتے ہیں۔

(ر) اسی طرح دہریہ اور دوسرے عقائد والے اپنی اس زندگی میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کس قسم کی زندگی گزارنی ہے۔ جیسے عقائد اور سوچ ہوگی ویسی ہی یہ زندگی ہوگی۔ اور ظاہر ہے اجتماعی زندگی چونکہ افراد پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے جب مختلف افراد اور قومیں ایک جیسے انسان جو کہ برابر پیدا ہوئے ہیں لیکن Mutually Conflict عقائد رکھیں گے اور اصرار کریں گے کہ اُن کے عقائد ہی سچے ہیں تو وہ باہمی جھگڑوں کو جنم دیں گے۔

ابھی ہم اس سوال کی طرف واپس لوٹتے ہیں کہ اگر موت کے بعد ہمیں علم ہوتا ہے کہ صرف قرآن ہی کی جنت وہاں موجود ہے اور اُس میں اللہ کے قوانین لاگو ہیں اور انسانوں کی خودساختہ جنت کے عقائد کی کوئی جنت نہیں تو Logically اُن کو وہ جنت نہیں مل سکتی جو کہ ایمان اور اعمالِ صالح کا فطری نتیجہ ہے۔

اس لئے یہ ہماری Choice ہے کہ کس قسم کی جنت ہم اس زندگی میں چاہتے ہیں اور پھر کس قسم کی جنت ہم اگلی دُنیا

میں چاہتے ہیں۔ کائنات (45:22) کی تخلیق اسی لئے ہوئی ہے کہ ہر انسان کا ہر عمل اپنا پورا پورا نتیجہ مرتب کرے اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ یہاں ایک اور اہم سوال ہمارا جواب چاہتا ہے۔ جو عقائد ہمیں پیدائش پر ملتے ہیں کیا ہم نے اُن کو عقل اور تدبر کی نگاہ سے دیکھا ہے کہ وہ ہماری زندگی کے مشاہدہ کے مطابق ہے۔ جو عقیدہ ہم نے God کے متعلق بنایا ہے۔ کیا وہ قانون اور Evidence پر Based ہے اور اگر اس کائنات اور انسانی زندگی کا God ایک ہی ہے تو پھر یہ مختلف عقائد کیوں Exist کرتے ہیں۔ اگر ہمیں انسانی زندگی کے مسائل اور اُن کا حل ڈھونڈنے میں دلچسپی ہے تو کیا ہم نے اس سلسلہ میں کوئی کوششیں کی ہے یا جو بھی عقائد ہمیں میراث میں ملے ہیں ہم نے اُن کو حق سمجھ کر قبول کر لیا ہے اور عقل اور تدبر کی کسوٹی پر نہیں پرکھا۔

یہ ایسی باتیں ہیں جن کا ظاہری طور پر ایسے لگتا ہے کہ کوئی خاص اثر نہیں پڑتا لیکن اگر مکافاتِ عمل کے قانون کی روشنی میں اُن کو دیکھا جائے تو انسان اس دنیا میں اُن فوائد سے دور ہے جو کہ اس کو قرآن کی روشنی اور ہدایت سے مل سکتے ہیں انسانی عقل اور تدبر کو اگر ہم اُس طرح استعمال نہیں کرتے جس طرح کہ قرآنی وحی چاہتی ہے کہ انسان اُس کو استعمال میں لائے تو وہ محض ایک حیوانی زندگی گزارتا ہے جس میں صرف وہ اپنے جسم کی ضروریات کو پورا کر کے موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اس میں انسانی ذات کی پرورش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

انسانی ذات کی پرورش کا تصور جو کہ قرآن نے پیش کیا ہے۔ انسانی زندگی صرف اور صرف حیوانی زندگی کی سطح پر رہ جاتی ہے جس میں انسانی عقل صرف اپنے فائدہ کے لئے کام کرتی ہے۔ اس کا مظاہرہ ہم ہر روز اپنی زندگی میں کر سکتے ہیں۔ ایک نظر اپنی موجودہ انسانی دُنیا پر ڈالیں کہیں بھی انسانی ذات کی Development کی بات نہیں ہو رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ انسانی ذات کے متعلق سوچنے کے لئے عقل اور تدبر کی ضرورت ہے اور انسان عام طور پر آسان راستہ ڈھونڈتا ہے اور مذہبی عقائد یہ کام بآسانی کر دیتے ہیں اس طرح انسانوں کی اکثریت انسانی ذات کے اس تصور کے نزدیک بھی نہیں جا سکتی جو کہ قرآن نے پیش کیا ہے اور جس سے ایک نئی زندگی ملتی ہے (8:24) اس لئے ضروری ہے کہ ہم جو کہ انسانی ذات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ دوسروں کو عقل اور تدبر کے استعمال پر زور دیں اور قرآن کی تعلیم کی طرف بلائیں تا کہ آج کی دنیا کو اُس جنت میں تبدیل کر سکیں۔ جس کا نتیجہ موت کے بعد کی جنت ہے۔ جس سے ہر انسان اپنے اندر کی دنیا کو Discover کر سکے جو کہ باہر کی دنیا سے بھی وسعت میں بڑی اور اعلیٰ ہے۔ اللہ نے اسی لئے (23:14) میں کہا ہے کہ انسان کو قوت فیصلہ اور Mind دے کر ایک نئی مخلوق بنا دیا اور تبارک اللہ کہہ کر اُس کی ذات کی نشوونما کی طرف اشارہ کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں انسان کے اختیار و ارادہ کی تخلیق کے لئے اللہ نے یہ کائنات کا سلسلہ پیدا کیا اور جسم تو محض ایک اہم Caricr ہے تا کہ انسان اپنے نفس یا ذات کو آگے لے جانے کے قابل بنا سکے۔ جسم کی موت کو اِسی لئے نفس کے ذائقہ چکھنے کی مثال سے تعبیر کیا ہے۔ انسان ایک عظیم مستقبل کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن یہ مستقبل ہم نے خود Create کرنا ہے اور اس کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی ہمیں براہِ راست مدد مہیا ہے جس کا طریقہ کار قرآن نے تفصیل سے بتایا ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(قسط نمبر 13)

دو قومی قرآنی نظریہ پر مطالبۂ پاکستان

حکمائے مغرب اور قرآن کے موقف میں بنیادی اختلاف:

نشوونما یافتہ انسانی ذات کا مزید ارتقاء موت کے بعد نئی اور اس سے بہتر حیات کے حصول کے لئے امیدوار بن کر ہوگا۔ عصرِ حاضر کے علمائے طبیعات کے نظریات کا ماحصل یہ ہے کہ انسان جس شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے، اپنی ابتدائی شکل میں اس حالت میں وجود نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اس مقام تک پہنچا ہے۔ ہم ابھی اس کی تائید میں قرآنی آیات کے حوالے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اس تائید و توافق کے باجود حکمائے مغرب اور قرآن کے نظریہ میں بنیادی فرق بھی ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں میں ہم آہنگی ہونا ناممکن ہے۔ حکمائے مغرب کے نزدیک زندگی غیر نامیاتی (Inorganic) مادہ میں بعض کیمیائی اور طبیعاتی تبدیلیوں سے اتفاقی طور پر پیدا ہوگئی اور حیوانی پیکر کی صورت اختیار کر لی۔ اس کے بعد حیوانی دماغ میں بعض اسی قسم کی تبدیلیوں سے شعور پیدا ہو گیا اور یوں خاک کے ذرے جیتے جاگتے باشعور انسان کی صورت میں منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد جب یہ میکانکی ارتباط منتشر ہو جائے گا تو زندگی اور شعور سب ختم ہو جائیں گے۔ لہٰذا زندگی یہی طبیعی زندگی ہے، اور اس کا تحفظ واستحکام، انسان کا نصب العین اور ارتقاء کا نقطۂ ماسکہ ہے۔

اس کے برعکس قرآنِ کریم کی رُو سے نہ زندگی بے جان مادہ میں کیمیائی اور طبیعاتی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے، اور نہ ہی انسانی شعور حیوانی دماغ کے میکانکی ارتقاء کی اگلی منزل۔ زندگی اور شعور کی تخلیق خدا کی حکمت میں پوشیدہ ہے۔ جس کی ربوبیت سے وہ اسے اس کے منتہٰی کی طرف لے جا رہا ہے۔ حکمائے مغرب نے جن امور کی تحقیق سے انکشاف کیا ہے، وہ درحقیقت وہ طبیعی قوانین ہیں، جن کے مطابق خالقِ کائنات اس تمام کارگہِ ہستی کو چلا رہا ہے، اور جن کے مطابق ایک جرثومہ حیات مختلف ارتقائی مراحل طے کر کے پیکر انسانی تک پہنچا ہے۔ لیکن وہ موجودہ زندگی کے ارتقاء کے اس سلسلۂ دراز کی آخری کڑی، زمان ومکان اور علت معلول کی پابندیوں سے آزاد قرآن میں دی گئی آزادیِ ارادہ اور تعقل کی صِفات کی حامل غیر مرئی انسانی ذات کا انکشاف نہیں کر سکے۔

انسانی ذات/نفس کا لغوی مفہوم:

ذات (Person or Personality) کا لغوی ترجمہ شخصیت، فردیت، کردار کیا جاتا ہے۔ یہ ان خصوصیات کا مجموعہ ہے، جو ایک فرد کی تشکیل کرتی ہیں یعنی ایک خودشعوری یا عقلیت پسند ہستی، ایک ذہین ہستی کی حیثیت سے وجود میں

ہونے کی حالت۔ گرائمر میں ذات کا اظہار ضمیر متکلم ''مَیں'' کے طور پر کیا جاتا ہے۔

انسانی ذات کے بہت سے لغوی معنی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ لفظ انسانی شخصیت کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔

قرآن میں اس کا روح کی متبادل اصطلاح نفس کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ توانائی جس سے تمیز کی صلاحیت یعنی عقل، علم، اور قلب کے معنوں میں (شعور اور احساس کی قوت) پیدا ہوتی ہے۔

روح کی البتہ تعریف فلسفہ میں حکمائے مغرب یوں کرتے ہیں:

1۔ بے جسم وجود۔

2۔ وہ جو شعور، ذہن اور ارادہ کا حامل ہو لیکن مادی علائق سے آزاد ہو۔

3۔ حرکت حیات کا سبب قریبی۔

4۔ اَمرِ خداوندی ''قل الروح من امر ربی''۔

5۔ وہ جو جسم سے قطعاً جدا ہو اور اس کے تغیر میں جس کو ثبات و قرار رہے۔

6۔ تخلیق کے وقت جو جسم میں نفوذ کر کے حیات و شعور کا باعث بنے۔

فلسفہ میں ذات کا مفہوم:

فلسفہ میں ذات کا یوں مفہوم پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ معروض یا معروضات کے مقابلہ میں موضوع، انا، عینی، کسی چیز کا مجرد تشخص

2۔ ایک عامل جو اپنے طور پر عمل کرے۔

3 جو تغیرات میں غیر متبدل رہے۔

فلسفہ میں غیر مرئی ذات کے مفہوم کو چند ایک مُسلمات کو ماننے کے بعد سمجھا جا سکتا ہے۔

1۔ سب سے پہلے یہ ماننا ضروری ہے کہ کائنات بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی بلکہ اس کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ یہ وہ سامان فراہم کرتی ہے جس سے روح (ذاتِ) انسانی اپنے مقصود تک جا سکے۔

2۔ دوسرے یہ ماننا ضروری ہے کہ نفس انسانی

(ا) ایک مستقل حقیقت ہے۔

(ب) اس کی حقیقت روحانی ہے۔ یعنی اس کی اپنی زندگی مستقل ہے اور مادی جسم کے تغیرات اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

(ج) یہ اپنے تمام افعال کا سبب آپ ہے۔ یعنی انسانی اعمال اسکے نفس کی کیفیات کے مظہر ہوتے ہیں۔

3۔ تیسرے یہ ماننا ضروری ہے کہ انسان کے موجودہ اعمال اس کے مستقبل کو متاثر کرتے ہیں۔

یعنی جس قسم کے اس کے اعمال آج ہوں گے اسی قسم کا اس کا ''کل'' ہوگا۔ بالفاظ دیگر اس کے لیے تسلسل حیات پر

ایمان رکھنا ضروری ہے۔ جو شخص صرف موجودہ زندگی کا قائل ہے وہ پیش پا افتادہ مفاد کے پیچھے لگا رہے گا اور مستقل اقدار کو کچھ اہمیت نہیں دے گا۔ کیونکہ مستقل اقدار انسانی سیرت کی تعمیر کرتی ہیں اور سیرت کی تعمیر کی اہمیت اس صورت میں سمجھ میں آسکتی ہے جب انسان زندگی کو مستقل اور مسلسل سمجھے ورنہ جو یہ سمجھے کہ میری سانس کے ساتھ ہی میری سیرت کا خاتمہ ہو جائے گا اسے تعمیرِ سیرت کے لیے سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے۔

4۔ سب سے ضروری یہ ہے کہ خدا پر ایمان لانا ہوگا۔ اس لیے کہ اخلاقی آئیڈیل، نفس (Mind) کے علاوہ کہیں موجود ہی نہیں ہوسکتا اور ایک مطلق آئیڈیل نفس مطلق ہی میں موجود ہوسکتا ہے جو ہر حقیقت کا سرچشمہ ہے۔ ہمارا نفس جس منتہیٰ کو ہماری سیرت کا مقصود قرار دے وہ اس نفس (مطلق) کا بھی منتہیٰ ہونا چاہیے جو ہمارے نفس کا سرچشمہ ہے۔

نفسیات میں ذات (شخصیت) کی تعریف:

ماہرین نفسیات ذات (شخصیت) کی کسی ایک تعریف پر متفق نہیں، لیکن عمومی اتفاق دیکھا جا رہا ہے کہ ذات کسی فرد کے ان منفرد خصائص (Unique characteristics) کی تنظیم ہوتی ہے جس پر اس فرد کے کردار کا خصوصی اور پیہم انداز منحصر ہوتا ہے۔ اس تعریف میں ذات (شخصیت) کے متعلق تین باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

(1) یہ منفرد ہوتی ہے۔

(2) یہ بہت سے مختلف خصائص پر جن میں ایک مخصوص تنظیم پائی جاتی ہے، مشتمل ہوتی ہے۔

(3) خصائص کی منفرد تنظیم کردار کے خصوصی اور پیہم انداز کو پیدا کرتی ہے یعنی کسی فرد کی ذات کا حصہ اس فرد یا اس کے کردار کے صرف وہی پہلو ہیں جو کم و بیش دائمی اور خصوصی طور پر اس کے ہیں۔

ماہرین نفسیات ذہن کی ذات کے تحت تعریف کرتے ہیں۔

ذات (شخصیت یا ذہن): فرد کی ذہنی، طبیعی، اخلاقی اور سماجی صفات جو تحریکی اور کلی تنظیم میں اپنے غیر مبدل ہونے کا احساس رکھتی ہے۔ یہ احساس کہ جسمانی تغیرات اور طور طریقوں میں تبدیلی آنے کے باوجود میری ذات وہی ہے جو پہلے تھی۔ ذات ہی اصل اور حقیقی وجود ہے اور نفسیات کو مجرد تصورات کی بجائے کردار و افعال کا مطالعہ ذات کے حوالہ سے کرنا چاہیے۔ اِسے ذہنی مادہ کا نظریہ دے کر بھی سمجھایا جاتا ہے۔

نظریہِ ذہنی مادہ کا جائزہ:

انسان دو مختلف اشیاء پر مشتمل ہے، جسم اور ذہن، جو خواہ کسی طرح بھی آپس میں مربوط ہوں، پھر بھی مکمل طور پر مختلف ہیں۔

جس طرح جسم میں طبیعی وقوعات رونما ہوتے ہیں، اسی طرح ذہن میں ذہنی وقوعات رونما ہوتے ہیں ہم لفظ ''ذہن'' کو اسم کی طرح استعمال کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ''کہ ہر اسم ذات کے متوافق'' ایک مادہ شے ہوتی ہے۔ ذہن خیالات، جذبات اور حسی تجربات کا مرکز ہے۔

جسم اور ذہن کے وقوعات، جو ان میں رونما ہوتے ہیں۔ اس نظریہ کو ذہنی مادہ (شے) کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

نظریہ ذہنی مادہ کے مطابق، انسان دو مختلف مادوں یا اشیاء سے متشکل ہے لیکن یہ ذہن ہے جو میری ذات سے قریب تر ہے۔ میرا ایک جسم ہے جس کی حرکات میری پابند ہیں لیکن وہ ''میں'' جو انھیں پابند بناتا ہے وہ جسم نہیں، بلکہ ذہن ہے۔ یہ سچ ہے کہ جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ ''میرا ایک جسم ہے''، ہم کبھی کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ ''میرا ایک ذہن ہے''۔ لیکن اس نظریہ کے مطابق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ''میں ایک ذہن ہوں'' جبکہ یہ کہنا کہ ''میں ایک جسم ہوں'' غلط ہوگا۔

یہ بھی سچ ہے کہ جب میں محض طبیعی خصوصیات کی بات کرتا ہوں تو میں خود کو جسم کے عین سمجھ سکتا ہوں، لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ ''میں سوچ رہا ہوں'' تو اشارہ ذہن کی جانب ہے نہ کہ جسم کیطرف کہ جو سوچ نہیں سکتا گو سوچنے کے لیے جسم (دماغ) کی ضرورت ہے جو فکر کرنے کے لیے شرط لازم ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جسم میں دماغ خود فکر نہیں کرتا۔ اسی طرح جب میں تسلیم یا یقین کرتا ہوں، حیرت کرتا ہوں۔ خواب دیکھتا ہوں، احساس کرتا ہوں، درد یا لذت محسوس کرتا ہوں تو جسم ان میں کوئی چیز نہیں کرتا بلکہ ذہن کرتا ہے۔ اسی لیے ذہن کو ہی میری اصل ذات کہا جاتا ہے۔ ذہن کو چھوا یا دیکھا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کا تصور کرنا ممکن ہے۔ یہ جسم یا دماغ کے اندر نہیں ہوتا۔ یہ غیر مادی ہے لہٰذا مکانیت کا حامل نہیں۔

ذہن کی زندگی میں پیش آنے والے وقوعات دماغ کی زندگی کے وقوعات سے علّی طور پر متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذہن دماغ میں ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے باہر۔

ذہن اور جسم کے متوازی ہونے کا نظریہ:

اس نظریہ میں کہا جاتا ہے کہ:

ذہن اور جسم دو ایسے حقائق ہیں جو ایک دوسرے کو متاثر کئے بغیر اور ایک دوسرے سے متاثر ہوئے بغیر متوازی طور پر اپنا وجود رکھتے ہیں۔ جس طرح دو گھڑیاں ایک دوسرے سے آزاد صحیح وقت دیتی ہیں، اسی طرح ذہن و جسم دو حقائق ہیں اور اللہ نے ان کے درمیان ایسی نسبت رکھی ہے کہ ایک دوسرے سے متوازی عمل کرتے ہیں۔

یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ جسم کو تجربہ نہیں ہوتا اور ذہن کی ماہیئت خواہ کچھ بھی ہو، کم از کم یہ تجربات کا حامل ضرور ہوتا ہے۔

اقبال کا نظریہ ذات (خودی):

علامہ اقبال نے بھی انسانی ذات (علامہ کے اپنے الفاظ میں خودی) کا نظریہ قرآن کی روشنی میں اپنے کلام اور خطبات میں پیش کیا ہے اس فلسفہ کا ملخص یہ ہے کہ حیات عالمگیر کلی نہیں بلکہ انفرادی ہے۔ حتیٰ کہ خدا بھی ایک فرد ہے اگرچہ وہ اپنی انفرادیت میں یگانہ اور نادر ہے۔ اس انفرادی زندگی کی اعلیٰ ترین صورت کا نام خودی ہے جس سے انسانیت کی شخصیت یا انفرادیت متشکل ہوتی ہے لہٰذا انسانی زندگی کا مقصود سلبِ ذات نہیں بلکہ اثبات خودی ہے۔ اقبال کے نزدیک جوں جوں انسان اس فرد کامل و نادر کی مانند ہوتا جاتا ہے (جسے انائے مطلق یا خدا کہتے ہیں) وہ خود بھی منفرد اور نادر ہوتا جاتا ہے۔ اس کا نام استحکام خودی ہے۔

''خدا کی مانند'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اندر صفات خداوندی کو منعکس کرے، اور اس طرح اُس انائے

مطلق کو اپنے اندر بحدِ بشریّت جذب کرتا چلا جائے۔

خودی کے ضعف اور استحکام کے پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ انسان اپنی راہ میں آنے والے موانعات پر کس حد تک غالب آتا ہے۔ زندگی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مادہ ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مادہ شر ہے اور اس لیے قابل نفرت ہے۔ مادہ شر نہیں بلکہ یہ زندگی کی خوابیدہ قوتوں کو بروئے کار لانے کا ذریعہ ہے۔ جب انسانی خودی، موانعات پر غلبہ حاصل کرنے سے پختہ ہو جاتی ہے تو پھر موت کا جھٹکا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس طرح انسانی زندگی دوام سے ہمکنار ہو کر غیر فانی ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک انسانی ذات اس جہد مسلسل کا نام ہے، جو اپنی نشوونما کی راہ میں، موانعات کو دور کرتے ہوئے ارتقائی منازل طے کرتی چلی جائے۔ علامہ کے اپنے مخصوص انداز میں ؎

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی یہ بھی ممکن ہے کہ تُو موت سے بھی مر نہ سکے

اس ضمن میں مغربی مفکر پروفیسر جوڈ کا مؤقف بھی اہمیت کا حامل ہے۔

پروفیسر جوڈ کا مؤقف:

علامہ اقبال تو قرآن ہی کی ترجمانی میں انسانی ذات، اور اُس کی اہمیت اُجاگر کرتے ہیں، لیکن اِس ضمن میں حکمائے مغرب کی ممتاز اتھارٹی پروفیسر جوڈ بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ:

''انسانیت کے ارتقاء کی اگلی منزل طبیعی نہیں بلکہ نفسی اور ذہنی (انسانی ذات) کی ہوگی۔ پہلے پہل انسان نے طبیعی ارتقاء کی، منزلیں طے کر کے حیوانیت سے انسانیت کے مقام پر آیا۔ پھر اس نے صنعت وحرفت کی مدد سے اپنے آپ کو آلات واسباب سے، آراستہ کیا۔ ہمارے اِس دور میں انسان نے صنعت وحرفت میں پورا کمال حاصل کر لیا ہے۔ اب اس کے لئے ضروری ہو گیا ہے، کہ وہ اِس منزل سے آگے بڑھے اور جس طبیعی ارتقاء نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ حیوان سے ترقی کر کے انسان کے درجے میں قدم رکھے، اسی طرح وہ آج مجبور ہے کہ اپنا قدم آگے بڑھائے۔ اُس کا یہ قدم مادی نہیں بلکہ نفسی اور ذہنی ترقی (یعنی انسانی ذات کی نشوونما) کی طرف ہوگا۔''

پروفیسر جوڈ کا مؤقف یہی تائید کر رہا ہے کہ کائنات میں انسانی ذات کے حامل انسان کا مقام، اِس طبیعی کائنات میں ارتقاء کا آخری مقام ہے اور اب اُس کا مزید ارتقاء اُس کی ذات کی نشوونما میں مضمر ہوگا۔

برگسان کے نزدیک یہ ارتقاء عمل پیہم کی رو سے مرتب ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ موقوف ہوتا ہے اس بات پر کہ ہم کیا ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کہنا بھی درست ہے کہ ہم جو کچھ بنتے ہیں وہ اعمال ہی سے بنتے ہیں اسی اعتبار سے ہم مسلسل تخلیقِ ذات کرتے رہتے ہیں۔

یہ تخلیقی عمل آج بھی آگے کی جانب بڑھتے ہوئے بلند سطحوں کو چھو رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ:

''انسان ان حدود سے آگے بڑھ جائے جو مادی فطرت نے نوع انسانی پر عائد کر رکھی ہیں۔''

اور اس طرح یہ انسان کی لافانیت کے مراحل میں بھی داخل ہو جائے کیونکہ جوشِ حیات کے لیے کچھ بھی کر گزرنا ناممکن

نہیں ہے۔ یہ کسی بھی امکان کو اظہار و واقعیت کے پیکر میں ڈھالتے رہنے کا عمل ہے ایک ایسی انجانی دنیا کی طرف جو ابھی عالم وجود میں آئی ہی نہیں۔

انسانی ذات کے غیر فانی ہونے کی صِفت کی وضاحت:

انسانی جسم کے کثیر التعداد خلیات (Cells) ہر سانس میں ضائع ہوتے رہتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے خلیات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ فنا و تجدید مسلسل جاری رہتا ہے تا آنکہ کچھ وقت کے بعد سابقہ جسم تمام کا تمام ایک نئے جسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اِس کے بالمقابل جسم کے ایک ایک ذرے کے تبدیل ہو جانے کے بعد بھی، ایک چیز بدستور قائم رہتی ہے، اور اُس میں قطعاً کوئی فرق نہیں آتا۔

وہ چیز انسانی ذات ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ "میں" نے یہ کہا تھا، تو اِس سے مراد میرا جسم نہیں ہوتا، بلکہ یہی ذات (Personality) مراد ہوتی ہے۔

ایک مغربی مفکر باردیو نے کہا کہ انسانی ذات تغیر میں ثبات personality is changelessness in change ہے۔

اُس کا یہ قول دراصل برگسان ہی کے قول میں ایک اضافہ ہے کہ "We change without Ceasing" یعنی ہم میں تغیر آتا ہے، معدوم ہوئے بغیر۔

یہاں تغیر سے مفہوم یہ ہے کہ جس چیز میں تغیر آتا ہے وہ باقی نہیں رہتی، معدوم ہو جاتی ہے۔ برگسان یہاں یہ کہتا ہے کہ انسانی ذات ایک ایسی شے ہے، جس کی وجہ سے ہم تغیرات سے پیہم گزرنے کے باوجود معدوم نہیں ہوتے۔ "میں" ہمیشہ وہی رہتی ہے۔ اِس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

راشڈل نے اسی اصول پر اخلاقیات کی ساری عمارت قائم ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ

''اخلاقی نظام کا دارومدار ہی اِس مسلمہ پر ہے کہ ''میں'' اپنے تمام گذشتہ فیصلوں اور معاہدوں کا ذمہ دار ہوں۔ اِس لئے اگر کچھ عرصہ کے بعد ''میں'' وہ نہیں رہتا، جو پہلے تھا، تو اِس صورت میں، میں اپنے سابقہ فیصلوں اور معاہدوں کا ذمہ دار ہی قرار نہیں پاتا۔ اگر صورتِ حال یہ ہو، تو پھر کسی شخص پر معاہدہ کی خلاف ورزی کا الزام ہی عائد نہیں کیا جا سکتا۔

پروفیسر شروڈنگر نے اس نفس انسانی یا میں کا تجزیہ اپنی کتاب کے خاتمے میں یوں کیا ہے کہ ''میں'' کیا ہے۔

اگر آپ اس کا تجزیہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ انسانی تجارب اور حافظہ کے مجموعہ سے کچھ زیادہ ہے یہ وہ پردہ ہے جس پر حافظہ اور تجربہ کے نقوش جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ اپنی داخلی دنیا کا بغور مطالعہ کریں گے تو آپ پر حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ جسے آپ ''میں'' کہتے ہیں وہ اس بنیاد کا نام ہے جس پر حافظہ اور تجربہ کی عمارت اٹھتی ہے..... اگر کوئی ماہر عمل تنویم ایسا بھی کر دے کہ تمہاری تمام سابقہ یادداشت ذہن سے محو ہو جائے تو تم دیکھو گے کہ اس سے تمہاری ''میں'' کی موت واقع نہیں ہو جاتی۔ انسانی ذات کبھی ضائع نہ ہوتی ہے اور نہ ہو سکے گی۔

اس ضمن میں اوسپنکی گرجیف کے الفاظ میں وضاحت کرتا ہے کہ:

اگر انسان ہر آن بدلتا رہے اور اس میں کوئی شے ایسی نہ ہو جو خارجی تغرات سے متاثر نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں کوئی شے ایسی نہیں جو موت کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن اگر وہ خارجی اثرات سے آزاد ہو جائے۔ اگر اس میں اس شے کی نمود ہو جائے جو اپنی زندگی جیئے تو یہ شے کبھی مر نہیں سکتی۔ عام حالات میں ہم ہر ثانیہ مرتے رہتے ہیں۔ خارجی حالات بدلتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ہم بھی بدل جاتے ہیں یعنی اس طرح ہمارے بہت سے ''انا'' فنا ہوتے ہیں۔ لیکن اگر انسان اپنے اندر مستقل انا کو نشوونما دے لے تو یہ خارجی تغیرات سے غیر متاثر رہ سکتا ہے اور اس طرح طبیعی جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

علامہ اقبال نے اِسے اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان کیا ہے کہ:

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی یہ بھی مُمکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

ایک جرمن ماہر حیاتیات ڈریش (Driesh) نے معمل (تجربہ گاہ) کے اندر تجربات کر کے ثابت کیا ہے کہ جسم حیوانی کے اندر ایک ایسا مقصد یا مدّعا کارفرما ہوتا ہے جو اس کی شکل وصورت کو متعیّن کرتا ہے۔

ڈریش کے تجربات اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ حیوان جسم کی ایک خاص شکل وصورت کو حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لیے ایک اندرونی میلان کا اظہار کرتا ہے۔ یہ ایک مجموعہ اشیاء کی طرح نہیں بلکہ ایک ناقابلِ تقسیم کلُ یا وحدت کی طرح عمل کرتا ہے جس کے اندر ایک رجحان طبیعت ایسا ہے جو اس کل یا وحدت کی ضروریات کی خبر رکھتا ہے۔

اسی طرح برگسان ارتقاء کے اُن تمام نظریات کو غلط قرار دیتا ہے جو زندگی کی تخلیقی اور مُدعائی فعلیت (Purpose activity) کی بجائے کشمکش حیات کی ضرورت اور بقائے اصلح کے تصور پر مبنی ہیں۔

برگسان کی وضاحت:

حقیقت کا سب سے اہم تشکیلی وصف اس کے اندر سرایت کردہ حیاتی قوت وتحریک ہے، جسے برگسان اصطلاحاً ''جوش حیات'' کے نام سے موسوم کرتا ہے ''اور جسے زندگی اور شعور کی صورتوں میں مدرک کیا جا سکتا ہے۔ اس جوش حیات (Elan vital) کا ارتقائی عمل نہ صرف یہ کہ کائنات کو غیر طبیعی قانون (Non-Physical Laws) کے تحت ہر لمحہ متغیّر بنائے رکھنا ہے بلکہ ایک پورا دشتِ امکان اس کے سامنے کھول دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح سے ایک فنکار اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے زیر اثر نئی سے نئی روشن تر اور بہتر ایک دنیا اپنے کینوس پر ابھار کر منظر عام پر لاتا رہتا ہے اور پھر بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ تخلیق کا اگلا لمحہ کب اور کس طرح ایک نئی صنفِ رنگ دنیا کو جنم دے گا۔''

اوسپنسکی کی وضاحت:

فکر جدید کی رو سے انسان محض مادی عناصر کا مرکب نہیں جس میں ہر آن تغیر واقع ہوتا رہتا ہے بلکہ اس کے اندر ذات (روح اور عقل) بھی ودیعت کی گئی ہے جو مستقل ہے اور اسے خارجی تغیرات سے غیر متاثر رکھا جا سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ ذات جو مضمر حالت میں انسان کے اندر پیدائش سے موجود رہتی ہے اس حالت میں ہمیشہ رہتی ہے یا اسمیں مقصد

بھی ہوتا ہے جس کی تکمیل سے اس میں پختگی آتی جاتی ہے۔اس کو بالفاظ دیگر اس کا ارتقاء کہا جاتا ہے یہ مفکرین اب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انسانی ذات میں نشوونما کے امکانات ہوتے ہیں اور اس کا نشوونما اور تکمیل درحقیقت مقصود زندگی ہے۔

اوسپنسکی اس باب میں گرجیف کے الفاظ میں کہتا ہے کہ:

انسانی ارتقاء سے مفہوم یہ ہے کہ ذات کے ان قویٰ اور ممکنات کا نشوونما پانا جو از خود نشوونما نہیں پاسکتیں یعنی جن میں میکانکی طور پر بالیدگی پیدا نہیں ہوتی۔صرف اس نہج کی نشوونما، صرف اس انداز کی بالیدگی انسان کی حقیقی ارتقاء کہلاسکتی ہے اس کے علاوہ اور کسی چیز کو انسانی ارتقاء کا مقصد نہیں کہا جاسکتا۔

انسانی ذات کی صفات کی آگاہی کے بعد، ہم اس قابل ہوگئے ہیں کہ ارسطو کی زبان میں انسانی حیات کے مقصد سے روشناسی کرسکیں۔

قرآن کی سورہ اخلاص میں ذات کی اساسی خصوصیات کا ذکر:

انسانی ذات کی ماہیت کیا ہے یہ نہ بتایا جاسکتا ہے اور نہ سمجھا جاسکتا ہے۔اس لئے کہ یہ کوئی مادی شے نہیں۔انسانی ذات کو خدا نے "جدید یا منفرد تخلیق" سے تعبیر کیا ہے۔اس لئے یہ نہ تو طبیعی ارتقاء کی پیداوار ہے اور نہ ہی طبیعی قوانین کے تابع جن کے مطابق انسانی مشینری زندہ اور مصروفِ عمل رہتی ہے۔انسانی ذات کا مظاہرہ اس کے اختیار وارادہ سے ہوتا ہے۔اس لئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک غیر مادی "شے" ہے جو اختیار وارادہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس اختیار وارادہ کی آزادی میں انتخاب کرنے میں اسے عقل اور علم کی صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔

یہ دونوں صفات (بصورت مطلق اور کُلی طور پر) خدا کو حاصل ہیں اور اس کی عطا کردہ (محدود شکل میں) انسان کو حاصل ہے۔اس کے سوا کائنات میں کسی اور کو اختیار وارادہ یا عقل وفکر کی صلاحتیں حاصل نہیں۔ذات کی یہ لازم خصوصیات لامحدود طور پر اللہ اور محدود طور پر انسان کو حاصل ہیں، ذات خواہ خدا کی ہو یا پھر انسان کی، اِس کی بنیادی صِفات ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اللہ نے اِن کا ذکر سورہ اخلاص میں یوں کیا ہے کہ:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (112:1-4)

''تو کہہ وہ اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ اس نے کسی کو جنا، اور نہ وہ کسی سے جنا۔اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی ہے۔''

اس سورہ میں ذاتِ خداوندی کی چار اساسی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔انسانی ذات بھی چونکہ حدِ بشریت میں خدا کی صفات کو اپنی ذات میں منعکس کرنے کی استعداد رکھتی ہے، لہٰذا، اگر خدا کی صفات کو انسان حدِ بشریت اپنے اندر جس قدر منعکس کرلے، تو اسی تناظر میں یہ صفات اس کی ذات کا بھی امتیازِ خصوصی کہلانے کی مستحق ہیں۔

1۔پہلی صفت احد:

احدیت، ایک بڑی جامع اصطلاح ہے، جس کا ترجمہ ایک لفظ میں نہیں کیا جاسکتا۔اس میں تفرید (Uniqueness)، توحید (One-ness) اور وحدت وجامعیّت (wholeness) کے تمام رشتے آجاتے ہیں۔اس صفتِ تفرید میں کسی

اور شے کی آمیزش کا شائبہ نہیں ہوتا۔ اقبال کے الفاظ میں ''گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں۔''

2۔ دوسری صفت صمد:

یہ بھی ایک جامع لفظ ہے، جس کا مفہوم ہے خارجی سہاروں سے مستغنی ہونا، اپنے ارادوں کا مالک آپ ہونا، اپنے فیصلوں میں خودمختار ہونا۔

ہم مطالعہ کر چکے ہیں کہ اختیار واراہ انسانی ذات کی بنیادی خصوصیت ہے۔ اس کی نشوونما اپنے ہی اعمال صالحہ سے ہو سکتی ہے، جنہیں انسان اپنے اختیار وارادہ سے بطیبِ خاطر خود کرے۔ نہ مجبوری کی نیکی، نیکی ہے اور نہ مجبوری کی بدی، بدی ہے۔ واضح رہے کہ ذات کا اپنی مرضی سے اپنے اوپر پابندی عائد کر لینا، اس کی آزادی کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ تو ذات کے اختیار وارادہ کا مظہر ہے۔ آزادی کے منافی وہ پابندی ہے، جسے کوئی دوسرا اس کی مرضی کے خلاف عائد کرے۔ اپنے اوپر پابندیاں خود ذاتِ خداوندی نے بھی عائد کر رکھی ہیں۔ اس ضمن میں قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ (6:54)

تمہارے رب نے رحمت (اور ربوبیت) کو اپنے اوپر واجب کر رکھا ہے۔

انسان بھی اپنی ذات کی نشوونما کے لیے، جو پابندیاں بطیبِ خاطر خود اپنے اوپر عائد کرتا ہے، وہ اس کے شرفِ انسانیت کے منافی نہیں ہوتیں۔ قرآنی معاشرہ، آزادی اور پابندی کے اسی بنیادی تصور کا مظہر ہوتا ہے جس میں افراد کی ذات نشوونما پاتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔

3۔ تیسری صفت لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ یعنی غیر تولید:

اِس کا عام مفہوم ہے کہ نہ اس نے کسی کو بسلسلۂ تولید پیدا کیا، اور نہ وہ کسی سے بسلسلۂ تولید پیدا ہوا ہے۔ یہ بھی ذات کی بنیادی خصوصیت ہے۔ انسانی جسم بسلسلہ تولید (Procreation) پیدا ہوتا ہے۔ یہ "پیدائش" کی حیوانی سطح ہے۔ اس سے ایک فرد اپنے باپ کی اولاد بنتا ہے، اور پھر اس کی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ لیکن انسانی ذات، پیدائش کے اس سلسلہ کا نتیجہ نہیں۔ پیدائش بسلسلہ توالد وتناسل میں مرد کا ایک حصہ اس سے الگ ہو کر بیٹے کے جسم کا جزو بنتا ہے۔ لیکن ذات ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس کے حصے بخرے نہیں ہو سکتے۔ اگر ذات کا کوئی حصہ اس سے الگ ہو جائے تو ذات نامکمل رہ جاتی ہے، اور ذات کا نامکمل ہونا ذات کی بنیادی خصوصیت کے خلاف ہے۔

4۔ چوتھی صفت کفو:

اِس کا مفہوم ہے کہ اس کا ہم پلہ اور ہمسر کوئی نہیں۔

جس فرد یا قوم کے افراد کی ذات کی نشونما ہو رہی ہے، دنیا کا کوئی فرد یا قوم اس کی ہمسر نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے جماعتِ مومنین کے متعلق فرمایا ہے کہ:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹ (3:139)

''اور سُست نہ ہو، اور نہ غم کھاؤ، اور تم ہی غالب (اعلیٰ) رہو گے، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ مومنین یعنی وہ لوگ، جن کی ذات کی نشوونما ہو رہی ہو، ان کا کوئی ہم پلہ اور ہمسر نہیں ہوتا۔ اقبال کے مخصوص الفاظ میں:

مومنے، بالائے ہر بالاترے غیرتِ او بر نتابد ہمسرے

نظریہ ارتقاء اور قرآن کی روشنی حیاتِ ذاتِ انسانی کا مقصد:

جیسا کہ ہم نظریہ ارتقاء میں مطالعہ کر چکے ہیں، قرآن سے بھی ہمیں اشارہ ملتا ہے کہ ہر شے کی تدبیر عالم مشیّت (عالم امر) میں اس کے اسماء یعنی صورت/ مقصد کو مدِ نظر رکھ کر ہوتی ہے، لیکن آغاز اس کے پست درجہ (ارض) سے شروع کیا جاتا ہے۔ یہاں سے وہ ارتقاء کرتا ہوا اپنے بالائی حصہ عروج کرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے البتہ اس کی وضاحت کی ہے کہ اگر ارتقاء کا سبب فی الواقع یہ ہے کہ حیوان کے اندر کوئی ایسا مقصد کام کر رہا ہے جو اس مقصد سے بھی اوپر ہے اور جس نے اسے اپنا آلہ کار بنا رکھا ہے تو پھر لازماً اس تصور کے نتائج حسبِ ذیل ہوں گے۔

1۔ یہ مقصد اپنے آپ کو ٹھیک طرح جانتا ہے اور اپنی اغراض کے لیے حیوان کی شکل وصورت کو بدلنے پہ پوری قدرت رکھتا ہے۔

2۔ چونکہ سب سے پہلا جاندار جو کیچڑ میں پیدا ہوا تھا۔ شروع ہی سے ارتقاء کے عمل میں تھا اور ارتقاء کی آئندہ غرضوں اور اُمیدوں کے عین مطابق تھا۔ اس لیے یہی مقصد تھا جس نے اس جاندار کو پیدا کیا تھا۔

3۔ چونکہ اس جاندار کے وجود میں آنے سے پہلے مادی کائنات اپنے تمام ارتقائی مدارج طے کر کے ایک ایسی شکل میں موجود تھی جس کے بغیر یہ جاندار وجود میں نہیں آ سکتا تھا۔ لہٰذا مادی کائنات کا ارتقاء اس جاندار کی تخلیق ہی کی ایک تیاری تھی اور اس ارتقاء کا باعث بھی یہی مقصد تھا۔

4۔ پھر چونکہ مادہ کی اوّلین صورت بھی شروع ہی سے ارتقاء کے عمل میں تھی اور بعد کے مادی ارتقاء کے لیے موزوں بھی تھی اس لیے یہی وہ مقصد تھا جس نے مادہ کو نیست سے ہست کیا تھا۔

5۔ لہٰذا یہ مقصد کوئی مادی چیز نہیں اور محض ایک مقصد ہی نہیں بلکہ ایک خود شناس شعور یا نفس (Mind) ہے بلکہ ایک خلاق وقدیر شخصیت (Personality) ہے جو کائنات کی اصل حقیقت ہے۔

حکمائے مغرب کے نظریہ ارتقاء میں ہم ارسطو کے نظریہ کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھ چکے ہیں کہ منطقی لحاظ سے کسی شے کی غایت (یعنی بالائی نقطۂ تکمیل) اس کے آغاز سے پہلے طے کیا جا چکا ہوتا ہے جو ہمارے وقت کے لحاظ سے، بعد میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ارسطو کہتا ہے کہ کوئی شے عدم سے وجود میں نہیں آتی بلکہ وہ بالقوہ سے بالفعل ہو جاتی ہے۔ حرکت وتغیر نام ہے بالقوہ کا بالفعل یا مادے کا شکل وصورت اختیار کرنے کا۔ یہ حرکت میکانکی نہیں ہے بلکہ مقصدی اور غائی ہے۔ اس طرح مقصد یا غایت ہی تغیر وحرکت کا اصل سبب ہے۔ جب کوئی شے حرکت میں آتی ہے یا تغیر پذیر ہوتی ہے تو کوئی قوت اسے پیچھے

نہیں دھکیل رہی ہوتی بلکہ اس کا مقصد یا غایت، سامنے سے اسے کشش کر رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا منطقی لحاظ سے مقصد و غایت، مزید ارتقاء سے پہلے طے ہوگا اگرچہ وقت کے لحاظ سے، وہ بعد میں آئے گا۔

برگسان کی وضاحت:

برگسان کی رو سے تخلیقی عمل آج بھی آگے کی جانب بڑھتے ہوئے بلند سطحوں کو چھو رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ یہ انسان کی لافانیت کے مراحل میں بھی داخل ہو جائے کیونکہ جوشِ حیات کے لیے کچھ بھی کر گزرنا ناممکن نہیں ہے۔ یہ کسی بھی امکان کو اظہار و واقعیت کے پیکر میں ڈھالتے رہنے کا عمل ہے۔ یہ قوت جسے ''جوشِ حیات'' کہا جاتا ہے ایک بالکل ہی آزاد عمل ہے جو آپ ہی آپ چھلک پڑتا ہے۔ (کسی کے تخلیقی عمل کی طرح) اور ایک انجانی دنیا کی طرف نکل جاتا ہے جو ابھی عالمِ وجود میں آئی ہی نہیں۔

قرآنی ہدایت پر انسانی ذات کی مقصدیّت کا انحصار:

انسانی زندگی کا یہ تصور کہ انسان صرف حیوان کی سطح پر جسم کا نام ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔ اس میں جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے، جسے اِس کی ذات کہتے ہیں۔ یہ وہ بنیاد ہے، جس پر اسلامی نظریۂ حیات اور اب نظریۂ پاکستان کی بھی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے، تو اِس نظریۂ حیات یعنی دین کی بات آگے چلتی ہے۔ اگر اِسے تسلیم نہ کیا جائے، تو دین کے نظریہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسے تسلیم کر لینے سے جو بات آگے چلتی ہے، اُس کی رو سے ایمان لانا ہوگا کہ:

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی ۝ (87:2-3)

اُس خدا کے نظام کو قائم کرنے لئے سرگرم رہ جو:

(i) مختلف عناصر میں باہمی امتزاج و ترکیب سے، ہر شے کو تخلیق کر کے ایک ہیئت عطا کرتا ہے؛ (خَلَقَ)

(ii) تخلیق کے بعد، پھر شے کے حشو و زواید کو دور کر کے، اس میں خاص تناسب اور اعتدال پیدا کرتا ہے؛ (فَسَوّٰی)

(iii) اور وہ شے میں، ایک خاص انداز سے، اور پیمانے کے مطابق، آغاز سے تکمیل تک کی صلاحیتیں رکھ دیتا ہے (کہ تکمیلی مراحل میں، اور تکمیل کے بعد، اس نے ایسا کچھ ہونا ہے۔ اس کو شے کی تقدیر کہتے ہیں؛ (قَدَّرَ)

(iv) صلاحیتوں کے بعد، وہ شے کو راستہ دکھا دیتا ہے، جس پر چلنے سے شے اپنی تکمیل تک پہنچ جاتی ہے (فَھَدٰی)۔

آغاز سے تکمیل تک زندگی بسر کرنے کی یہ راہ نمائی، ماسوا انسان، ہر شے کے اندر رکھ دی گئی ہے۔ اسے شے کی فطرت یا جبلّت کہا جاتا ہے، اور جس انتظام کے تحت، شے آغاز سے تکمیل تک پہنچتی ہے، اُس کو خدا کا نظام ربوبیّت کہتے ہیں۔ انسان کو خدا نے اختیار و ارادہ دے کر پیدا کیا تو اس کو زندگی بسر کرنے کے قوانین ودیعت کرنے کی بجائے وحی بذریعہ انبیاء کا طریقہ اختیار کیا، تاکہ انسان اپنی اس دنیا کی تکمیلی صورت یعنی مقصد کے حصول میں اپنی ذات کی نشوونما میں کامیاب و کامران ہو مقصد کا حصول انسان کے تخلیقی کردار کا ثمرہ ہوتا ہے، لہٰذا اِس کا یہاں تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

(جاری ہے)

خصوصی اپیل

(بے مثال تفسیرِ قرآن کی نشر و اشاعت کے لئے تعاون کی درخواست)

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ نے ساری عُمر قرآن کریم کی تحقیق، تعلیم اور ترویج کرنے میں بسر کی۔ اُنہوں نے خالص قرآن کی مدد سے عصرِ حاضر کے علمی، تحقیقی، سائنسی اور تنقیدی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے قرآن کے اصلی پیغام الحق کو ہم تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پینتیس سال کے لگ بھگ ہفتے کے ہر جمعہ/ اتوار کو باقاعدگی سے درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اُن کے دروس آڈیو/ وڈیو میں منتقل کئے جاتے تھے جن میں پورے قرآن کا بڑی تفصیل سے لگ بھگ ایک ہزار گھنٹے پر محیط جائزہ لیا گیا ہے۔ بعد میں انہی ٹیپ کی مدد سے اِن دروس کو ٹائپ کر کے مطالب القرآن فی دروس الفرقان کے نام سے کتابی شکل میں 41 ضخیم جلدوں میں شائع کر دیا گیا ہے۔ **ادارہ طلوع اسلام** نے اِسے تبلیغ کا فریضہ خُداوندی سمجھتے ہوئے نبھایا ہے اور احباب سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اِن کُتب کو ادارہ سے خرید کر زیادہ سے زیادہ لوگوں اور اداروں تک اپنا تبلیغی فرض سمجھتے ہوئے پہنچائیں۔ اِس عمل میں اگر آپ ادارہ کو مطلوبہ افراد کی فہرست فراہم کر دیں گے تو وہ اس تفسیر قرآنی کا ایک سیٹ آپ کی جانب سے آپ کے دئے ہوئے پتہ پر بھجوا دے گا۔ تعلیمی اداروں میں خصوصی طور پر تعلیمی درسگاہیں اور پبلک لائبریریاں زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ادارہ کے پاس اِن کی فہرست موجود ہے جو ضرورت پڑنے پر مہیا کی جاسکتی ہے۔ آپ کو اِس امر سے یہ بھی تسلی رہے گی کہ آپ نے نہ صِرف اپنی طرف سے تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے اللہ کے کام میں رفاقت کی سعادت حاصل کی ہے بلکہ ادارے کی بھی اِس فریضہ کی ادائیگی کو جاری رکھنے میں بھرپور مدد فراہم کی ہے۔

(41) اکتالیس ضخیم جلدوں پر مشتمل اِس منفرد تفسیر کا ہدیہ مبلغ 19000 روپے ہے۔ اگر آپ یہ تفسیر کسی لائبریری یا دوست کو گفٹ کرنا چاہتے ہیں تو ادارہ کو صرف -/15000 روپے ارسال کر دیجئے۔ ادارہ آپ کی جانب سے یہ تفسیر قرآن مطلوبہ لائبریری یا فرد تک بھجوا دے گا۔ عطیات کے لئے ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر درج ذیل ہے۔ ہماری دلی تمنا یہ ہے کہ دروس القرآن کی یہ اکتالیس (41) ضخیم جلدوں پر مشتمل قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر پاکستان کی ہر یونیورسٹی کی لائبریری کی زینت بنے تاکہ وہاں کے تمام طالب علم قرآنِ کریم کی اس بے مثال تفسیر سے استفادہ کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری معصوم آرزو کو شرف قبولیت بخش دے اور صاحب حیثیت لوگ اس سلسلے میں آگے بڑھیں اور اس کام میں ہماری مدد کریں تاکہ تبلیغ دین کے اس فریضہ سے ہم سب عہدہ برا ہو سکیں۔ شکریہ

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ الحج	(22)	380	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورہ آل عمران (اول)	(3)	472	500/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	500/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ الانعام	(6)	600	600/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480	500/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400	500/-	سورہ یٰسٓ	(36)	164	150/-
سورۃ انفال	(8)	210	250/-	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ توبہ	(9)	530	550/-	سورۃ مومن حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورۂ یونس	(10)	360	400/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-	سورۂ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-	سورۂ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورہ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-15)	500	500/-	28 واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-				
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	400/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	500/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان) فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

اَلْحَمْد سے وَالنَّاس تک

مسلسل قرآنِ کریم کے سمجھنے اور سمجھانے کا بالکل نیا انداز

مفہوم القرآن

(پرویز)

یہ نہ قرآنِ کریم کا ترجمہ ہے، نہ تفسیر بلکہ اِس کا مفہوم ایسے واضح، مسلسل، مربوط اور دِلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے قرآنی مطالب تابندہ ستاروں کی طرح نگہِ بصیرت کے سامنے اُبھر کر آجاتے ہیں۔

نیا اور کمپیوٹر کمپوزڈ ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔

کمپیوٹر کمپوزنگ اور کتابت کا حسین اِمتزاج

طباعت کا اعلیٰ ترین معیار

مکمل سیٹ ایک جلد میں اور دو جلدوں میں بھی دستیاب ہے

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ○ 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

tolueislam@gmail.com ; www.islamicdawn.com

www.facebook.com/tolueislam.trust

Phone: +92 42 35753666

شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

(24 فروری 1985ء کی یاد میں)

معزز حاضرین، السلام علیکم

علامہ غلام احمد پرویزؒ ایک معتبر عالم اور پینتالیس سے زاہد معروف کتابوں کے مصنف تھے۔ تفصیل فروری 2018ء کے ماہنامہ طلوع اسلام کے لمعات میں شائع ہو چکی ہے یہ لمعات مذکورہ ''پرویزؒ اور فکرِ پرویز۔ ایک تعارف'' کے موضوع پر ہیں۔ اس بارے میں ایک مضمون برادرم محمد عمر دراز خاں مرحوم اور آج آپ سے مخاطب اس بندہ نے بزبان انگریزی ترتیب دیا تھا ''Allama Ghulam Ahmed Parwez (A Life Sketch)'' جو اس وقت کتاب ''دولتِ پرویزؒ'' کے صفحات 222 تا 224 پر موجود ہے۔ اس کا مطالعہ بھی اس بارے میں مفید رہے گا۔

3۔ علامہ مرحوم زندگی بھر فکرِ قرآنی کو عام کرنے میں مصروف رہے۔ تحریر و تقریر کے اس سلسلہ کا آغاز بیسویں صدی عیسوی کے رُبع اوّل ہی سے ہو گیا تھا جب ان کے مضامین غیر منقسم ہندوستان کے معتبر رسالوں میں چھپنے لگے اور پھر علامہ محمد اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر ماہنامہ طلوع اسلام (دورِ جدید) 1938ء سے ان کی زیرِ نگرانی دہلی سے شائع ہونے گا۔ اس سے قبل یہ رسالہ سید نذیر نیازی صاحب کی زیرِ ادارت شائع ہوتا رہا تھا اور اس کا نام علامہ محمد اقبالؒ کا ہی تجویز کردہ تھا۔ 1938ء میں دورِ جدید کا پہلا شمارہ اپریل، مئی کا مشترکہ شمارہ تھا۔ اس کے مدیر مسئول حکیم ذکی احمد خاں اور معاون محمد عثمان تھے۔ یہ پرچہ کسی فرد کی ملکیت نہیں تھا بلکہ تمام ملتِ اسلامیہ کا مشترکہ پرچہ تھا۔ اس کا نظم و نسق ایک ایسی جماعت سے متعلق تھا جس کے اراکین نے محض اللہ کے لیے اس فریضہ کو اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس وقت انہیں دائرۂ طلوع اسلام دہلی کہا جاتا تھا۔ ان کے اسمائے گرامی رسالہ میں درج نہیں ہیں۔ بعد میں رسالہ محمد عثمان صاحب نومبر 1938ء، جنوری 1939ء، محمد ظہیر الدین صدیقی فروری 1939ء سے فروری 1940ء اور مارچ 1940ء سے جون 1942ء تک اخوندزادہ حسین امام صاحب کی زیرِ ترتیب جون 1942ء تک جاری رہا۔ جس کے بعد اس کی اشاعت ملتوی رہی تا آنکہ 1948ء میں یہ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی سے جاری ہوا اور آج تک مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد، قرآنی فکر کی منظم نشر و اشاعت کے لیے دہلی کے دائرہ طلوعِ اسلام کی طرح، پاکستان میں بزمِ طلوعِ اسلام قائم ہوئی جس کو قارئین طلوعِ اسلام نے اپنے اپنے علاقہ میں قائم کر کے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کو فروغ دیا۔ نمائندگانِ بزم ہائے طلوعِ اسلام کا پہلا کنونشن 1956ء میں لاہور میں منعقد ہوا۔ بعد ازاں سالانہ کنونشن اور سب کنونشن 1967ء تک باقاعدہ منعقد ہو رہے۔ ابتدائی کنونشنوں کی تفصیل ''منزل بمنزل'' کتاب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ علامہ

مرحوم کی وفات کے بعد سالانہ کنونشن اگرچہ منعقد ہو رہے ہیں لیکن باقاعدگی سے نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ''منزل بمنزل'' کتاب کا دوسرا Volume بھی تیار کیا جائے اور اس میں کم از کم کنونشن کی روائداد یں شائع کی جائیں۔

اندرونِ ملک بزم ہائے طلوعِ اسلام کے قیام کے علاوہ علامہ پرویز صاحب کی زندگی ہی میں بیرونِ ملک بھی کئی بزمیں قائم ہوگئی تھیں جنہوں نے عالمی سطح پر قرآنی فکر کے تعارف میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ علامہ مرحوم کا ان بزموں کے قیام اور نظم ونسق میں بھی بڑا اہم کردار ہے جسے بھلایا نہیں جاسکتا۔

مجلہ طلوعِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ کے ایماء پر جاری ہوا اور آپ ہی کی یادگار ہے۔ اس لئے قیامِ پاکستان سے قبل گویا اس کا ہر پرچہ اقبال نمبر تھا اور ٹائٹل پیج پر ان کی تصویر لئے شائع ہوتا تھا۔ بہت کم احباب کو معلوم ہے کہ علامہ غلام احمد پرویز بزمِ اقبال کے ابتدائی ممبروں میں شامل ہیں اور انہوں نے بزمِ اقبال کے مختلف اجلاسوں میں ان کے اسلامی حکومت سے متعلق نظریات کے فروغ کے لیے تقریریں کیں۔ قیامِ پاکستان سے قبل، دہلی اور اس کے نواح میں، جہاں شام کو جا کر راتوں رات واپس آیا جاسکے، علامہ پرویز قیامِ پاکستان کی اسلامی اساس پر پُرمغز تقاریر کیا کرتے تھے۔ ہوتا یوں تھا کہ مذکورہ جگہوں یا مقامات میں مسلم لیگ اپنا جلسہ پہلے کرتی تھی اور جب مسلم لیگ کا جلسہ اختتام پذیر ہوجاتا تھا تو یہ جلسہ بزمِ اقبال کی مجلس میں تبدیل ہوجاتا تھا جو محترم پرویز صاحب کی تقریر کے لئے مختص ہوتا تھا۔ اُن تقریروں نے ہندوؤں اور نیشنلسٹ علماء کے منفی پروپیگنڈا کا بھرپور جواب دیا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد بھی علامہ مرحوم کا شیدائی اقبال کی حیثیت سے تذکرہ عام تھا۔ چنانچہ 1951ء میں ڈاکٹر عبدالوہاب عزام جب پاکستان میں حکومتِ مصر کے سفیر بن کر آئے تو انہوں نے علامہ پرویز صاحب سے ملکر علامہ محمد اقبالؒ کے کلام کی تشریح وتفہیم کی محفلیں آراستہ کیں جسے مجلسِ قلندرانِ اقبال کہا جاتا ہے۔ اس مجلس میں ضربِ کلیم، بالِ جبریل، ارمغانِ حجاز (حصہ اردو) جاوید نامہ، مثنوی اسرار ورموز، مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق اور بانگ درا (چیدہ چیدہ) لفظاً لفظاً پڑھی گئیں۔ سفیرِ مصر جنہیں اس مجلس میں سفیرِ اقبال کہا جاتا تھا، نے دامن بھر بھر کر اس متاعِ فقیر کو دنیائے عرب میں لُٹا دیا۔ اور کتاب بعنوان ''محمد اقبال۔ سیرتہٗ، شعرہٗ وفلسفتہٗ تالیف کی اور ضربِ کلیم کے عربی ترجمہ کا تعارف بھی پرویز صاحب ہی سے لکھوایا۔

یہ سلسلہ 1951ء سے 11 دسمبر 1954ء تک جاری رہا۔ پھر ڈاکٹر عبدالوہاب عزّام پاکستان سے تبدیل ہوکر جدہ تشریف لے گئے۔ وہ دسمبر 1957ء میں انٹرنیشنل اسلامک کلوکیم (منعقدہ لاہور) میں شرکت کے لئے تشریف لائے اور آخری مجلسِ قلندرانِ اقبال کا اجلاس 9 جنوری 1958ء کو کراچی میں علامہ پرویز مرحوم کی رہائشگاہ پر ہوا۔ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کا جنوری 1959ء میں الریاض میں انتقال ہوگیا۔ اس مجلس کی کارروائی جناب خورشید عالم مرحوم نے لکھی تھی جو ٹرسٹ کی شائع کردہ کتاب اقبال اور قرآن جلد اوّل میں شامل ہے۔

مجلسِ قلندران اقبال کا ایک اور بھی پروگرام ہے جو مئی 1968ء سے دسمبر 1968ء تک جاری رہاں۔ اس میں محترم پرویز صاحب نے ازسرنو جاوید نامہ کی تشریح فرمائی۔ اس تشریح کو ٹیپ سے ریکارڈ کر کے ادارہ طلوع اسلام نے ''جاوید نامہ'' کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

مجلسِ اقبال کے نام سے ٹرسٹ نے مثنوی اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی کی شرح اور شرح مثنوی پس چہ باید کرد بھی شائع کر دی ہے۔ وہ بھی قابلِ مطالعہ ہے۔

علاوہ ازیں علامہ مرحوم کی خدماتِ جلیلہ کا ایک اہم شعبہ ان کا درسِ قرآن ہے۔ قیامِ پاکستان (14 اگست 1947ء) کے بعد ان کے درسِ قرآن کا آغاز 1950ء سے کراچی میں ہوا جس کا موضوع بالعموم قرآنی تعلیمات تھا۔ یہ درس اوائل 1958ء تک جاری رہا۔ سرکاری ملازمت سے بطورِ اسسٹنٹ سیکرٹری مرکزی حکومت پاکستان قبل از وقت 1955ء میں ریٹائرمنٹ لینے کے بعد علامہ مرحوم 1958ء تک کراچی میں رہے پھر لاہور منتقل ہو گئے اور جولائی 1958ء سے یہ درس ان کی رہائش گاہ 25 بی گلبرگ۔2 لاہور پر ہونے لگا۔

یہاں شروع میں درس کے موضوعات ''قرآن کریم کے بنیادی تصورات اور مصطلحات'' رہے اس دوران ملک بھر میں بزم ہائے طلوعِ اسلام قائم ہو چکی تھیں جن میں بزم لاہور کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ لاہور میں درس اگرچہ مرحوم کی رہائش گاہ پر ہی ہوتا تھا لیکن اس کے انتظام و اہتمام کہ ذمہ داری بزم طلوعِ اسلام لاہور پر تھی۔ بزم لاہور اس معاملہ میں خوش قسمت ہے کہ قرآنِ کریم کے از سرِ نو باقاعدہ سلسلہ وار درس کا آغاز ان کے ہاں ستمبر 1960ء سے ہوا۔ یہ پہلا دور بخیر و خوبی 31 دسمبر 1967ء کو اختتام پذیر ہوا۔

درسِ قرآن کریم کا دوسرا دور جو پہلے کی نسبت زیادہ مفصل انداز سے تھا، 17 مارچ 1968ء سے شروع ہو کر 15 اکتوبر 1984ء تک تیسویں پارہ کی سورہ مطففین کی آیت 26 تک پہنچا تھا کہ محترم پرویز صاحب علیل ہو گئے اور ان کی وفات 24 فروری 1985ء تک پھر درس کی محفل نہ جم سکی۔ درس کے پہلے اور دوسرے دور کا اکثر ریکارڈ آڈیو ٹیپس پر تیار ہوا تھا لیکن 17 جولائی 1981ء سے سورۃ الزخرف (43:19) سے درس ویڈیو ٹیپس پر ریکارڈ کیا جانے لگا تھا اور یہ انتظام آخر تک جاری رہا۔ یہی درس مرحوم کی وفات کے بعد آج تک بزمِ طلوعِ اسلام کے زیرِ انتظام سنایا دکھایا جا رہا ہے۔

ان جملہ دروس کو ''مطالب القرآن فی دروس الفرقان'' کے نام سے تحریری شکل میں 42 مجلدات میں لایا گیا ہے۔ اربابِ فکر و نظر نے دروسِ قرآن کے تحریری ریکارڈ میں لانے کے اس پروجیکٹ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے دروس کی اس ریکارڈ کو پڑھتے ہوئے اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم محترم پرویز صاحب کے درس میں شریک ہیں اور قرآنی نکات دل میں اترتے چلے جاتے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ موصوف، صاحبِ درس کو تو ہم مشکل مقام پر اس وقت دہرانے کا کہہ نہیں سکتے تھے، البتہ ان دروس کے اوراق کسی بھی وقت پلٹ کر ہم ان کی صحبت میں دوبارہ جا سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی صد ہزار رحمتیں ہوں مرحوم پر اور دعا ہے کہ ان کے اندازِ تفہیم اور اس کی اثر انگیزی کو قبولیتِ عامہ نصیب ہو۔

علامہ مرحوم ساری عمر محض اشاعتِ کلامِ الٰہی کے جذبہ کے تحت یہ درس ارزانی فرماتے رہے کوئی معاشی فائدہ نہ مدِ نظر رکھا نہ حاصل کیا۔ ادارہ طلوعِ اسلام کو بھی یہ اصول و جذبہ بدستور مدِ نظر رکھنا ہوگا۔ ادارہ سے یہ بھی توقع رکھنی چاہئے کہ وہ ان دروس کا حسبِ استطاعت اہم عالمی زبانوں میں ترجمہ کروا کر شائع کرے۔ آمین

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر بذریعہ ویڈیو ٹیپ ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس، فون نمبر، ای میل یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ احمد نواز خان۔ فون: 0992-334699۔ موبائل: 0314-5035285	بروز جمعہ	3 PM
اسلام آباد	مکان نمبر 302۔ اسٹریٹ نمبر 57۔ سیکٹر F-11/4۔ رابطہ ڈاکٹر انعام الحق۔ فون: 051-8357302 Email: dr.inam57@gmail.com		
اوکاڑہ	بر مکان احمد علی، بیت الحمد 180-AB-4، ابوبکر بلاک شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3 PM
پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر۔ تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال فون نمبر: 0345-7385320 Email: muhammad_saleem450@yahoo.com	بروز جمعہ	3 PM
پنڈ دادن خان	رابطہ محمد نذیر۔ بمقام وڈاک خانہ روال نزد غریب وال سیمنٹ فیکٹری، تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم فون نمبر: 0346-6450130 Email: nazeernaz@hotmail.com	بروز بدھ	بعد نماز عشاء
چوٹی زیریں	بر دوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 Noon
چنیوٹ	11/9-W، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: چوہدری دلمیر خان، فون: 047-6331440، موبائل نمبر: 0321-7704564	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964 Email: abidhussain3012@hotmail.com	بروز اتوار	9:30 AM
راولپنڈی	بر مکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5191248، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10 AM
سرگودھا	4-B، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-3711233 0306-6730342	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف، 03007158446۔ محمد طاہر بٹ، 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار 5PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065 Email: bazamfaisalabad@gmail.com	بروز جمعہ 4PM
فیصل آباد	جاوید کلینک بالمقابل فریدی مسجد، قادر آباد، چوک غلام محمد آباد، فیصل آباد رابطہ: ہومیو پیتھک ڈاکٹر ایم یونس جاوید، موبائل نمبر 0300-7656804	بروز اتوار 10AM
کراچی DHA	48 سی، 21 کمرشل اسٹریٹ، بمیر اٹین فلور، فیز 2، ایکسٹینشن ڈی ایچ اے، کراچی، رابطہ: محمد اقبال 021-35395702، موبائل نمبر: 0300-2275702، Email: bazmkhi@hotmail.com Web:www.mafhoomulquran.com	بروز اتوار 10AM
کراچی لانڈھی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار 2PM
کراچی ملیر سٹی	ناج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992 محمود الحسن۔ فون: 021-34179307 Email: asif.jalil1@gmail.com	بروز اتوار 11 AM
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546 Email: idarati@gmail.com 0321-4460787	بروز اتوار 9:30AM
لاڑکانہ	مکان نمبر 1582 پرانا عیدگاہ روڈ نزد قاسمیہ مسجد محلّہ جاڑل شاہ۔ رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714، اللہ بخش شیخ، موبائل: 0333-7542644	بروز جمعہ بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: ماسٹر خان محمد، (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلّہ صوفی پورہ۔ موبائل نمبر: 0334-4907242 فون نمبر: 0456-520969	بروز جمعہ 10 AM
نواں کلی، صوابی	اسرار اللہ خاں c/o جوہر علی شاہ۔ محلّہ خود رخیل کرنل شیر کلی۔ تحصیل رزڑ۔ ضلع صوابی۔ فون: 0336-9770807, 0301-8344296 Email: israrullah901@gmail.com	بروز اتوار 10 AM
صوابی	گاؤں وڈاکخانہ چار باغ تحصیل وضلع صوابی رابطہ: عمر فاروق موبائل: 0343-8981935	
ملتان	بر مکان مظہر حیات۔ نزد مین گیٹ خواجہ فرید سوشل سیکورٹی ہسپتال وہاڑی روڈ۔ ملتان۔ رابطہ شان الٰہی مظہر، موبائل: 0300-4469722	ہر اتوار
مینگورہ۔ سوات	رابطہ۔ خورشید انور۔ معرفت طارق آٹو بیکو۔ خالد پلازہ حاجی شمس الحق۔ نشاط چوک۔ مینگورہ ضلع سوات فون: 0315-9317755 Email: khurshaidanwar@yahoo.com	ہر ماہ پہلے جمعہ کو 2PM
علی گرامہ، سوات	علی گرامہ، تحصیل کبل ضلع سوات۔ رابطہ محمد ظاہر شاہ خان، فون: 0346-9467559 رابطہ اقلیم خان، فون: 0341-4342200	ہر اتوار 8:30AM
فتح پور۔ سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946-840800 موبائل: 0315-9317755 امیر زیب خان۔ موبائل: 0344-9893235	ہر اتوار 3PM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوبِ پرویزؒ بنام خالد گل صاحب

عزیز محترم

آپ دیارِ عرب میں قرآنی شمع کو فرزاں رکھنے کے لئے جس قدر گرم جوشی سے کام کر رہے ہیں اس سے میں بے حد مطمئن اور پر مسرت تھا کہ آپ کو پورا پورا اطمینانِ قلب حاصل ہے لیکن اگلے دنوں ڈاکٹر صاحب اور عزیزہ بیٹی رشیدہ آئے تو انہوں نے بتایا کہ آپ ان دنوں کچھ پریشان خاطر رہتے ہیں اس سے مجھے تعجب بھی ہوا۔ تاسف بھی اور صدمہ بھی۔

تعجب اس بات سے کہ آپ جیسا گرم جوش مطمئن قلب پریشان کس طرح ہو گیا۔ تاسف اس پر کہ آپ نے اپنی پریشانی کے متعلق مجھ سے ذکر کیوں نہ کیا اور صدمہ اس سے کہ آپ جیسی قیمتی زندگی بلا وجہ کم ہو رہی ہے۔

عزیز من! یوں تو ہر زندگی قابل قدر ہوتی ہے لیکن جس شخص کے سامنے زندگی کا کوئی بلند مقصد ہو اس کی زندگی کا تو ایک ایک لمحہ بے بہا ہے۔ میں اب عمر کے اعتبار سے اس مقام پر ہوں جہاں اگلا ساحل زیادہ قریب ہوتا ہے۔ وہ جوان سال جن پر مجھے بھروسہ ہے کہ یہ میرے بعد بھی اس شمع کو روشن رکھیں گے ان میں ایک آپ بھی ہیں۔ میں نے آپ کا باہر جانا اس لئے گوارہ کر لیا تھا کہ آپ وہاں کچھ مالی مفاد حاصل کر کے واپس آئیں گے تو پھر اقتصادی طور پر مطمئن ہو کر اس بلند مقصد کے فروغ کے لئے کوششیں کر سکیں گے۔ اندریں حالات آپ سمجھئے کہ آپ کی زندگی آپ کے بچوں کے لئے کس قدر متاعِ حیات ہے۔

ان بچوں کے لیے جنہیں دنیا میں لانے کے آپ ذمہ دار ہیں ان کی پرورش تعلیم و تربیت آپ کا اولین فریضہ ہے اور اس سے اگلی سطح پر قرآنی مشن کے لیے آپ کی زندگی کس قدر بے بدل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری زندگی ہماری رہتی ہی نہیں۔ یہ ہمارے پاس امانت ہوتی ہے وہ امانت جس کے (غالب کے الفاظ میں) ایک ایک قطرے کا ہمیں حساب دینا ہوتا ہے (خدانخواستہ) کوئی ایسا طبیعی حادثہ ہو جائے جس پر ہمیں اختیار نہ ہو۔ تو وہ اور بات ہے ورنہ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ جس اقدام سے زندگی یا صحت کے کم ہو جانے کا اندیشہ ہو اس کی روک تھام کا فوری انتظام کریں۔ اس کا ہمیں حساب دینا ہوگا اور اسی کی ہم سے پرسش ہوگی۔ ذرا سوچئے کہ وہ زندگی جس نے قرآنی مشن کے لئے وجہ فروغ ہونا تھا اگر ہم اس کی حفاظت کی طرف سے غفلت برتیں تو اس سے انسانیت کا کس قدر نقصان ہوگا اور عدالت خداوندی میں یہ کتنا بڑا جرم! ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ (102:8) تم سے ان بے بہا نعمتوں کی بابت پوچھا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو کوئی جسمانی عارضہ نہیں (یہ اللہ کا فضل ہے) اس لئے آپ کی پریشانی کی وجہ نفسیاتی (Psychological) ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ والدہ

مرحومہ کی وفات کا آپ پر بڑا اثر ہوا ہے۔ آپ کو ان سے اور انہیں آپ سے بڑا پیار تھا۔ لیکن اس غم کو دل پر لگاتے وقت آپ نے قرآن کے اس عظیم سبق کو نظر انداز کر دیا جس میں اس نے کہا کہ ''اور تو اور'' اگر محمد ﷺ جیسی شخصیت بھی کہ جو تمہارے لئے متاع کونین ہے کل کو وفات پا جائے تو تم یہ نہ سمجھ لینا کہ بس! زندگی کے مقاصد ختم ہو گئے۔ اگر تم نے ایسا سمجھ لیا تو وہ تو اپنی طبیعی موت سے وفات پا گئے تھے تم اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لو گے۔ اس لئے عزیزم کسی بڑی سے بڑی اور پیاری سے پیاری شخصیت کی جدائی کو ہمارے لیے ناقابل تلافی نقصان کا موجب نہیں بن جانا چاہئے۔ اس قسم کا اثر نفسیاتی ہوتا ہے اور اس کا علاج انسان کے خود اپنے ہاتھ میں یعنی عزم راسخ (Determination) اس امر کو مستحکم کیجئے کہ مجھے زندگی کے بلند مقاصد کے لئے جینا اور تندرست رہنا ہے یہ احساس تم سے زائل ہو جائے گا۔ آپ نے پچھلی دفعہ اپنی بچی کی الجھن کا مجھ سے ذکر کیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اب کسی اسکول میں جانے لگی ہے۔ یہ بہت اچھا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ اسکول کیسا ہے اگر کوئی ایسا سکول ہو جس میں استانیاں یورپین ہوں تو وہ زیادہ اچھا رہتا ہے ان استانیوں کو بچوں کی سائیکالوجی کے لئے خاص طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ اور وہ انہیں نہایت عمدگی سے (handle) کرتی ہیں۔

لیکن جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں آپ کی (اور دیگر اہلِ خاندان کی) پریشانی کی بنیادی وجہ عزیزہ بیٹی کا مسئلہ ہے آپ چونکہ ایسے معاملات میں زیادہ حساس واقعہ ہوئے ہیں اور عزیزہ آج کل آپ کے پاس ہی ہے۔ اس لئے آپ نے اس قدر شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کا زیادہ اثر لیا ہے لیکن اس مسئلہ کا حل تو خود اس بیٹی کے پاس ہے۔ رشتے اچھے مل سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اس کے لئے آمادہ ہو۔ کوشش کیجئے کہ وہ اس کے لیے آمادہ ہو جائے تو آپ کا ہی نہیں پورے خاندان کا ایک مسئلہ حل ہو جائے گا۔

لیکن یہ مسائل حل ہوں یا نہ۔ آپ کو ان کا ایسا اثر نہیں لینا چاہئے جس سے آپ کی صحت (اور بامقصد زندگی) متاثر ہو جائے۔ اس کا علاج اس عزم کا پختہ کرنا ہے کہ آپ نے ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے زندہ اور تندرست رہنا ہے۔ اس سے آپ کی قوت ارادی میں استحکام پیدا ہو گا اور وہ اس قسم کی نفسیاتی الجھن کی مدافعت کر دے گی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اس پر توجہ سے غور کریں گے۔

یاد رکھئے! مجھے آپ کی بڑی ضرورت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ انگلیوں کی تکلیف کی وجہ سے اب خطوط خود نہیں لکھا کرتا۔ املا کرا دیا کرتا ہوں۔ لیکن یہ خط مجھے خود ہی لکھنا تھا۔ بمشکل لکھ پایا ہوں۔ اس کے جواب کا مجھے شدت سے انتظار رہے گا۔

والسلام

خیر طلب

باباجی

18 اگست 1980ء

محمد علی صابر صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نشست نمبر5

نوجوانوں کا صفحہ

نخلِ سینا

کلیم الزمان اپنے مطالعہ کے کمرے میں عینک لگائے اخبار بینی میں مشغول تھے کہ عالم آرا رشوت کے طور پر پنیر والے پکوڑے اور چائے کی پیالی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور پوچھا۔۔۔ابو! میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟

کلیم الزمان: یہ طشتری میں کیا ہے۔

عالم آرا: پنیر والے پکوڑے ہیں۔ یہ چیز یہاں لاہور میں نہیں ملتی یا کمیاب ہے۔ میری ایک سہیلی پشاور سے میرے لئے لائی ہے، یہ پشاور کی سوغات ہے۔

کلیم الزماں: اس رشوت کے بدلے میں کیا چاہیے؟

عالم آرا: ایک اچھے سے موضوع پر اقبال کے تصورات کے متعلق کچھ فرمایئے۔

کلیم الزماں: ان کا پسندیدہ موضوع تو خودی ہے اور اس موضوع پر اقبالی فکر کے شناساؤں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ کوئی موضوع لے کر کسی کتاب سے استفادہ کرو۔

عالم آرا: ابو جس طرح آپ سمجھاتے ہیں وہ بات کتابوں سے پیدا نہیں ہوتی۔

کلیم الزماں: خودی دو قسم کی ہوتی ہے بیٹی۔ ایک روحانی اور ایک طبعی، لیکن طبعی خودی کے بغیر روحانی خودی کا حصول فی زمانہ ذرا مشکل نظر آتا ہے۔ طبعی خودی کا مطلب ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے کہ اس میں کیا کیا ممکنات پوشیدہ ہیں۔ میں سنی سنائی بات کر رہا ہوں صرف سمجھانے کے لئے تم نے کبھی سہگل کا نام سنا ہے۔

عالم آرا: ایک سہگل تو گانے والا تھا۔

کلیم الزماں: اس بیچارے کو یہی معلوم نہ تھا کہ اس کی آواز میں کیسا جادو ہے۔ ریلوے میں شاید ٹکٹ کلکٹر تھا۔ ایک دن اپنا کام ختم کر کے وہ فرسٹ کلاس کے کیبن میں آ بیٹھا اور موڈ میں گانا شروع کر دیا۔ اسی ڈبہ میں کلکتہ کے میڈن تھیٹر کا کوئی مالک یا ڈائریکٹر سفر کر رہا تھا۔ اس نے سہگل کو کہا کہ وہ میڈن تھیٹر کی کمپنی سے وابستہ ہو جائے۔ سہگل کی ریلوے میں تنخواہ اسوقت سو دو سو روپیہ ہوگی۔ ڈائریکٹر نے سات سو روپیہ ماہوار پر اسے تاحیات معاہدہ کر لیا۔ سہگل کے گانوں کے ریکارڈ اس

قدر فروخت ہوئے کہ کمپنی کو لاکھوں روپے کا فائدہ ہوا اور بیچارے سہگل کو صرف سات سو روپیہ ماہوار ملتے رہے اور نقصان اسلئے ہوا کہ وہ اپنی طبعی خودی سے ناواقف تھا۔ بیٹی! یہ میں سنی سنائی بات کر رہا ہوں حقیقت خدا جانے۔ دوسری مثال قائداعظم محمد علی جناح کی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ وکالت کرنے کے لئے ممبئی پہنچے تو ان کی جیب میں زیادہ رقم نہیں تھی۔ کچھ لوگ تو یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ ان کے پاس صرف آٹھ آنے تھے۔ بہر حال انہوں نے وکالت شروع کی اور تھوڑی مدت بعد حکومت نے انہیں پندرہ سو روپے ماہوار پر عدالت کی کرسی پیش کی۔ قائداعظم نے یہ پیشکش یہ کہتے ہوئے ٹھکرا دی کہ وہ پندرہ سو روپیہ روزانہ کمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوا کہ قائداعظم اپنی ممکنات سے آگاہ تھے۔

عالم آرا: ابو! بات لمبی ہو رہی ہے۔ سہگل اور قائداعظم کے ذکر سے۔

کلیم الزماں: بیٹی! میں سمجھ گیا ہوں تمہاری بات، علامہ اقبال مسلمان کو اس کی خودی سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے — یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی — ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی — جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

یہ چند اشعار علامہ کی نظم ''طلوع اسلام'' سے لئے گئے ہیں اور یہ دوسرے اشعار ان کی نظم شمع اور شاعر میں موجود ہیں جن کا مخاطب مسلمان ہے۔

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو — قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتار طلسم ہیچ مقداری ہے تو — دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ — تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

الغرض علامہ اقبال کی پہلی اردو کتاب بانگ درا میں ''تصویر درد''، شمع اور شاعر''، ''خضر راہ''، ارتقاء اور طلوع اسلام قابل توجہ ہیں۔ ہمارے طالب علم حضرات اور جویائے حقیقت اصحاب کو ان نظموں کا مطالعہ کرنا چاہیے اور عالم آرا! بیٹی! اگر تم میری مہم میں میرا ساتھ دینے کا مصمم ارادہ رکھتی ہو تو تمہیں اقبال اور پرویز کی نگاہ سے قرآن مجید کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ انہیں پڑھنے کے بعد تم اس قابل ہو جاؤ گی کہ غالب کے اس سوال کا جواب دے سکو۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند — گستاخئ فرشتہ ہماری جناب میں

عالم آرا جوں جوں مذکورہ اشعار سنتی گئی تو اس کی آنکھوں میں خوشی اور حیرت نے رقص شروع کر دیا اور اس نے اپنے آپ ابو سے یہ سوال کر دیا کہ وہ جسے بالوں سے پکڑ کر بحر جہالت و افلاس سے باہر نکالا تھا اس کا کیا بنا؟

کلیم الزماں: عالم آرا کے سوال کا جواب دینے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔

کلیم الزماں: بیٹی! میں جانتا تھا کہ تم یہ سوال کروگی۔ کلیات اقبال گھر میں موجود ہے تمہیں تمہارے سوال کا جواب علامہ کی دوسری کتاب ''بال جبریل'' میں مل جائے گا۔ نظم کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے کا عنوان ہے ''فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں'' اور دوسرا حصہ ہے ''روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے'' علامہ کا حقیقت بیان کرنے کا یہ ڈرامائی انداز ہے۔ مختلف منازل طے کرتا ہوا آدمی شعور کو پہنچا تو علامہ اسے اس کی جنت کہتے ہیں اور جب اسے خودشعوری کی نعمت سے سرفراز کیا گیا تو وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ میں کون ہوں، کدھر سے آیا ہوں، کدھر جا رہا ہوں، تو وہ اپنی جنت کھو بیٹھا۔ جنت کے دوبارہ حصول کے لئے روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے اور جنت کی بازیابی کے لئے تیر بہ ہدف نسخہ تجویز کرتے ہوئے کہتی ہے۔

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں تھیں پیش نظر کل تک تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تیری آنکھوں کے اشارے دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحر تخیل کے کنارے پہنچیں گے فلک تک تیری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کر اثرِ آہِ رسا دیکھ

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
تو پیر صنم خانۂ اسرار ازل سے محنت کش و خوں ریز و کم آزار ازل سے
ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضا دیکھ

کچھ سمجھ میں آیا کہ علامہ کیا کہہ گئے ہیں۔ قرآن مجید کی سورۃ خاشیہ میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ (88:17-20)

اس نظم میں علامہ نے وہی کچھ کہا ہے جو ان مذکورہ آیات سے مزید مترشح ہوتا ہے۔ اب تم بات سمجھ گئی ہوگی اور آگے اور کچھ پوچھنا ہے تو پوچھو۔

عالم آرا: ابو! بات دلچسپ ہوتی جا رہی ہے۔

کلیم الزماں: اینٹوں کے بھٹے کا مزدور یا مالک ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں کرتا ہے کہ یا اللہ دو دن تک بارش نہ ہو۔ بلکہ کڑکتی دھوپ پڑے۔ کمہار کی بیٹی بھی ایسی ہی دعائیں کر رہی ہے۔ دہقان گڑگڑا کر دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ بارش برسا ورنہ ہمارا کھیت چڑیاں چگ جائیں گی۔ کارپردازانِ قضا و قدر مخمصے میں ہیں کہ کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے کہتا ہے کہ بادلوں کی طرف دیکھو یہ کیسے بنتے ہیں۔ کب بنتے ہیں۔ کب برستے ہیں اور کب یونہی گرج کر گزر جاتے ہیں۔ اقبالؒ ان سے کہتے ہیں۔ کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ۔ مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں اس پر عمل کرنے کی طرح ڈالی لیکن اس پر زیادہ کام تہذیبِ مغرب کے زمانہ میں ہوا اور موسمیات کے ادارے اور محکمے قائم ہوئے۔ آج حالت یہ ہے کہ بارش ہونے سے دو دن پہلے ہی اس کی شدت معلوم ہو جاتی ہے۔ اگر طوفان آنا ہو تو متعلقہ اداروں کو پہلے ہی سے اطلاع مل جاتی ہے اور وہ اپنی حفاظت کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ کچھ تو اچھل کر حفیظ جالندھری کے ساتھ ہم کلام ہو کر پکار اٹھتے ہیں کہ ؎

اٹھی مشرق سے گھٹا پینے کا موسم آ گیا

اور کچھ آرزو کی طرح دم بخود پکار اٹھتے ہیں کہ ؎

ہاتھ سے کس نے ساغر پٹخا موسم کی بے کیفی پر اتنا برسا ٹوٹ کے بادل ڈوب چلا میخانہ بھی

اگر موسم سے بے خبر رہا جائے تو صرف میخانہ ہی نہیں ڈوبتا، ماہی گیروں کی کشتیاں بھی ڈوب جاتی ہیں اور ہوائی جہاز بھی کریش کر جاتے ہیں۔ مذکورہ تباہیوں سے بچنے کے لئے موسمیات کے علم کا حصول نہایت ضروری ہے اور جس کسی نے بھی یہ کہا تھا کہ "مینوں اکّو الف درکار۔ علموں بس کریں او یار" اس نے کوئی دانشمندانہ بات نہیں کہی تھی۔ شعر و شاعری سے بھی کچھ شغف ہے بیٹی!

عالم آرا: ابو! آپ کی باتیں سن کر بڑا لطف آ رہا ہے۔ اچھا شعر ہو تو مسرور ہوتی ہوں۔

کلیم الزماں: تو لو سنو تمہیں غالب کا ایک شعر سناتا ہوں۔ فارسی میں ہے۔

عالم آرا: فرمایئے۔

کلیم الزماں:

در قالبِ ملا اثرش پردہ کشا شد خاکے کہ قضا درتنِ گوسالہ فروریخت

عالم آرا: ابو! بات کچھ گہری سی ہے۔ میرے تو سر کے اوپر سے گزر گئی۔

کلیم الزماں: سنو بیٹی! ہماری تفاسیر میں یہ قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں افسانہ طرازی تو بہت ہوئی ہے لیکن میں مختصر طور پر بتاتا ہوں کہ تفاسیر کے بیان کے مطابق جب حضرت موسیٰؑ مختصر غیر حاضری کے بعد اپنے قبیلے میں آئے تو دیکھا کہ سامری نے سونے کا بچھڑا بنایا ہوا ہے اور وہ بے جان ہونے کے باوجود بول بھی رہا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے سامری سے کہا کہ میں بات تو ساری سمجھ گیا ہوں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس بے جان بچھڑے میں بولنے کی قوت کیسے پیدا ہوگئی۔ سامری نے کہا کہ جب آپ کا تعاقب کرتے ہوئے فرعون کا گھوڑا آپ کے قریب پہنچا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت سے ایک گھوڑی پر سوار ہوکر فرعون کے گھوڑے کے سامنے آ گئے۔ گھوڑے نے گھوڑی کا پیچھا کیا۔ تو جبرائیل اپنی گھوڑی کو گہرے پانیوں میں لے گئے اور اس طرح فرعون غرق ہوگیا۔ جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں میں جو کیچڑ لگ گیا تھا میں نے وہ اٹھالیا اور بچھڑے کے منہ میں ڈال دیا جس کی کرامت سے بچھڑے نے بولنا شروع کر دیا۔ غالب طنزاً یہ کہہ رہے ہیں کہ ملا کے منہ میں بھی وہی کیچڑ ہے۔ تمہیں یہ قصہ سنانے کا مقصد یہ ہے کہ جس سکول کی تم نے نگرانی کرنی ہے اس میں اسلام کے نام پر اس قسم کی افسانہ طرازیوں سے اجتناب کرنا ہوگا۔ ویسے تو یہ بات درمیان میں آ گئی ورنہ بات تو بادلوں کی ہو رہی تھی۔ تم ذرا ان کی اہمیت پر غور کرو۔ کرہ ارض پر زندگی کا دارومدار پانی پر ہے اور صاف ستھرے اور مصفّٰی پانی کا انحصار بادلوں پر ہے جو سمندروں سے پانی کشید کر لاتے ہیں اور اسے پہاڑوں پر برف کی حالت میں ہمارے لئے ذخیرہ کر دیتے ہیں جو دریاؤں کی شکل میں ہمیں ہر وقت مل سکتا ہے یا اس کا کچھ حصہ زمین میں جذب ہوکر زیر زمین ذخیرہ بن جاتا ہے جسے ہم کنوئیں کی صورت میں پاتے ہیں۔ اس سے ضرورت کے مطابق ہر وقت پانی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی پانی اب تو ڈیموں میں ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ پانی یا بادل ایک اور اہمیت بھی رکھتے ہیں اور بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ بادلوں میں موجود بجلی کی گڑگڑاہٹ اور چمک سے نائٹروجن گیس بھی پیدا ہوتی ہے جو کم از کم نباتاتی حیات کے لئے نہایت ضروری ہے۔ دریاؤں کا پانی جب دریاؤں کے ذریعہ واپس سمندروں میں جاتا ہے تو سمندروں میں گرم اور سرد ہوائیں پیدا ہوتی ہیں جو مختلف مقامات پر موسم کی تبدیلی کا باعث بنتی ہیں۔ الغرض انسان کے لئے بادل بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور علمائے مغرب نے ان پر بڑی باریک بینی سے توجہ دی ہے۔ ایک جغرافیہ دان کینڈریو کی مثال دیتا ہوں۔ اس نے اپنی کتاب "براعظموں کی آب وہوا" (Climate of Continents) میں لکھا ہے کہ بحیرہ عرب سے اٹھنے والی بادل بردار ہوائیں جب جنوبی ہند کے مغربی گھاٹ سے ٹکراتی ہیں تو ان کا سارا پانی انہیں پہاڑوں پر نچڑ جاتا ہے اور وسطی ہند اس پانی سے محروم رہتا ہے لیکن وہیں ناگپور کے شہر میں بارش ہو جاتی ہے۔ کینڈریو نے تحقیق کی تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ مغربی گھاٹ کا وہ حصہ جہاں نربدا اور تاپتی بحیرہ عرب میں گرتے ہیں اس شگاف سے کچھ بادل اندر جا کر ناگپور پر بارش کا باعث بنتے ہیں۔ بیٹی عالم آرا یہ سب کچھ میں اسلئے بتا رہا ہوں کہ تم سمجھو کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بادلوں کو دیکھو کہ، یہ کیسے بنتے ہیں تو سمجھ لو کہ اس قسم کا طبعی علم ہمارے لئے کتنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آسمان کی طرف دیکھو کہ ہم نے اسے کیسا اونچا بنایا ہے اور ساتھ ہی کہا

پہاڑوں کو دیکھو کہ انہیں زمین پر کیسا نصب کیا ہے اور زمین کو دیکھو کہ کس طرح مدور ہونے کے باوجود مسطح نظر آتی ہے۔ ہمارے شاعروں نے تو بس یہ کہنے پر معاملہ ختم کر دیا کہ ؎

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا
پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرش خاکی اور سر پہ لاجوردی کیا آسماں بنایا

لیکن تہذیب مغرب کے علماء کے ذوق تحقیق سے متاثر ہو کر علامہ اقبال یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ؎

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

بیٹی عالم آرا! اگر ہم ارض وسما و مافیھا کے متعلق گفتگو کرنا شروع کر دیں تو یہ ایک نہ ختم ہونے والی کہانی بن جائے گی۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ لو آج کی شب بھی سو چکے ہم

میں نے تمہیں شروع میں کہہ دیا تھا کہ قرآن مجید کی کسی آیت کو چھیڑو وہ پھڑک کر غنچہ سے گلِ صد برگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اب اسی سورۃ نازعات کی پہلی آیت نازعات غرقاً کا ذکر ہو رہا ہے کہ جہالت، افلاس، نکبت و ادبار کے سمندر میں غرق معاشرے کو کیسے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا ہے۔ یہ ایمان اور علم اشیا کی جہانگیری کے بغیر ممکن نہیں۔ ہم آئندہ کی نشست میں ارض وسما کے علمی پہلو سے صرف نظر کرتے ہوئے ان کے افادی پہلو پر گفتگو کریں گے کیونکہ عوام کی ضرورت کے مطابق گفتگو ہو تو بہتر رہتا ہے۔ آخر میں تم سے یہی کہونگا کہ سکول کی علمی سرگرمیوں کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ تمہیں ہوسٹل کے باورچی خانہ کا بھی خیال رکھنا پڑے گا۔ بچوں کو وہی کھانا ملنا چاہیے جو ہم گھر میں کھاتے ہیں اور میری آرزو یہی ہے کہ علامہ اقبالؒ اور علامہ پرویز کی نگارشات نے مجھے نخل سینا کی طرح روشن کر دیا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے ساتھ وابستہ لوگوں کو بھی راہنمائی حاصل کرنے کی توفیق دے اور حشر کے دن میرے خیر کا پلڑا جھک جائے۔

ملتان کے احباب کے لیے ضروری اطلاع

اب طلوع اسلام کی تمام بکس اور ''طلوع اسلام'' میگزین مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتا ہے

ملک محمد صفدر ایڈووکیٹ نمبر 54 محمڈن بلاک ضلع کچہری۔ ملتان فون نمبر: 0334-6093266

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بچوں کا صفحہ

وعدہ کی پابندی

حسنین اور ہارون بڑے اچھے دوست ہیں۔ دونوں ایک ہی سکول اور ایک ہی کلاس میں پڑھتے ہیں۔ دونوں پڑھنے میں بڑے لائق ہیں اور کھیل کے میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ حسنین اور ہارون کو اس بات کا افسوس ہے کہ ان کے گھر پاس پاس نہیں۔

ہارون ایک دن حسنین کے گھر گیا۔ حسنین کی امی بہت خوش ہوئیں۔ اسے خوب پیار کیا۔ چائے کے ساتھ مزیدار حلوہ کھلایا۔

حسنین کی میز پر ایک کتاب رکھی ہوئی تھی۔ جس کا نام ''اسلامی معاشرت'' تھا۔ ہارون نے کتاب اٹھائی۔ دو تین صفحے پڑھے۔ کتاب اسے اچھی لگی۔ اس کتاب میں قرآن شریف کی باتیں سیدھی سادی زبان میں لکھی ہوئی تھی۔

ہارون نے حسنین سے پوچھا: ''میں یہ کتاب لے جاؤں؟''

حسنین نے کہا: ''ضرور۔۔۔ مگر بھئی یہ کتاب تانیہ باجی کی ہے۔ پرسوں وہ آئیں گی۔ تم پرسوں شام تک یہ کتاب ضرور واپس کر جانا۔''

ہارون نے وعدہ کر لیا اور کتاب اپنے ساتھ گھر لے آیا۔

گھر آ کر اس نے وہ کتاب بڑی توجہ سے پڑھی اور اپنی امی کو بھی سنائی۔ وہ بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے ہارون سے کہا: ''مزہ تو تب آئے گا کہ تم اس کتاب میں لکھی ہوئی باتوں پر عمل بھی کرو۔''

ہارون نے کہا: ''امی! میں پوری کوشش کروں گا۔''

تیسرے دن جب ہارون کتاب واپس کرنے کے لئے گھر سے نکلنے والا تھا تو ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی۔۔۔ وہ بہت پریشان ہوا کہ کیا کیا جائے۔۔۔ لیکن بارش نہ رُکی۔ اس نے اپنی امی سے اجازت لی اور سڑک پر پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر میں اسے بس مل گئی۔ ابھی حسنین کا گھر تھوڑی دور تھا کہ بس خراب ہو گئی۔ ہارون نے تھوڑی دیر تو انتظار کیا لیکن جب بس ٹھیک نہ ہوئی تو وہ اتر کر پیدل چلنے لگا۔ کتاب اس نے لفافے کے اندر احتیاط سے رکھ لی۔

بارش خاصی تیز ہو گئی تھی۔ کیچڑ میں چلنا بڑا مشکل کام تھا مگر ہارون آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ حسنین کے گھر پہنچ کر اس نے گھنٹی

بجائی۔ حسنین نے دروازہ کھولا اور حیرت سے کہا: ''ہارون! آخر اتنی بارش میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟''

ہارون نے کہا: ''میں نے تم سے وعدہ جو کیا تھا۔''

اس نے لفافے کے اندر سے کتاب نکالی اور کھول کر یہ عبارت پڑھی: ''یہ نہایت ضروری ہے کہ جو بات منہ سے نکالو اس کے مطابق کر کے دکھاؤ۔ جو وعدہ کرو، اُسے پورا کرو۔''

حسنین کے والد بھی یہ بات سن رہے تھے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے: ''بیٹا، شاباش! تم اچھے اور سچے مسلمان بیٹے ہو۔ تم پر پاکستان اور اسلام فخر کر سکتا ہے۔''

پھر حسنین کی امی نے ہارون کو گرم گرم چائے پلائی۔ حسنین کے والد نے کار نکالی اور ہارون کو اس کے گھر چھوڑ آئے۔

❁❁❁❁

کوئی دعویٰ نہیں

کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں نے قرآن کریم کو اپنی بصیرت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اسی فکر پر اس تحریک کی بنیاد رکھی ہے میری یہ فکر میری تحریروں میں محفوظ ہے اور انہی تحریروں کا میں ذمہ دار ہوں۔ اگر کوئی شخص کوئی ایسی بات میری طرف منسوب کرے جو میری تحریروں میں نہیں، تو اس بات کو نہ کوئی سند حاصل ہو سکتی ہے نہ میں اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہوں، خواہ وہ شخص مجھ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ میں نے اس وارننگ کو اس لیے ضروری سمجھا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سلسلہ ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔ اس زمرہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باتیں تو اپنی طرف سے کرتے ہیں، اور منسوب کر دیتے ہیں انہیں تحریکِ طلوعِ اسلام کی طرف، وہ دانستہ ایسا کرتے ہوں یا نادانستہ، دونوں صورتوں میں اس سے تحریک کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ تحریک کے لیے سند صرف وہ تحریریں ہیں جو اس کی طرف سے شائع ہوئی ہیں، نہ کہ زبانی روایات خواہ راوی کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں میری درخواست ہے کہ آپ احباب اس کا بھی خاص طور پر خیال رکھیں۔

(پرویزؒ، سالانہ کنونشن، 17 تا 20 مارچ 1966ء)

توجہ فرمائیے

اس امر کو واضح کر دینا ضروری ہے کہ ادارہ طلوعِ اسلام کا ملکی یا غیر ملکی کسی بھی سیاسی پارٹی یا فرقہ سے براہِ راست یا بالواسطہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی ادارہ طلوعِ اسلام خود کوئی سیاسی پارٹی یا مذہبی فرقہ ہے۔ یہ صرف اور صرف ایک فکری اور علمی تحریک ہے۔

(چیئرمین ادارہ)

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)**

Chapter 4: Builder of Kaaba (*Mei'mar Haram* - معمارِ حرم) –

To leaders of Spring's caravan

(Tulu-e-Islam Convention, April, 1960)

By G. A. Parwez

In gathering of believers, I know this is what delights me?
One brotherhood, one Iman, one path, and one mission!

My dear brothers, *Assalaamu Alaikum wa Rahmatullah*!

Immediately after the celebration of *Eid-ul-Fitr* – what we call "*Jashn-e Nuzul-e Quran*" (the celebration of the revelation of the Quran) – to be gathered together here in shining setting like this suffused with fragrance of deep love has created deep happiness in our hearts and minds, as if this beautiful environment of the convention hall is whirling with joy and saying:

Who has graced this gathering of exquisite love and magnificence?
That has made the entire environment turn into youthful exuberance!

Let me first offer my heartfelt congratulation to you on the occasion of this happy gathering. Gatherings like this, in fact, make my desires young and my feelings warm; and they invigorate my emotions, and strengthen my determination in my Quranic Journey. So, I am deeply thankful to you with all my heart and sincerity!

My dear friends, from our point of view, the most important event of last year has been the formation of a constitution commission charged with proposing recommendations for a new constitution of the state of Pakistan. This is the constructive step after the destructive step that was taken about one and half years ago when the Martial law authorities declared the current constitution null and void. The formation of the commission is the beginning of this constructive step. After the creation of Pakistan the framing of its constitution was handed to the constituent assembly. That assembly was not a true representative of the people of Pakistan, and so, the people of Pakistan didn't have any say in the creation of the constitution that was adopted then. The current commission has declared that it will issue a questionnaire to people of Pakistan to get their input regarding the type of constitution they want. The questionnaire has not been issued yet. So we cannot say whether it will be limited to asking people's opinions about only the constitution's basic principles or will it also include some details about the proposed constitution. But even if it is limited to only the basic principles it will be sufficient for the goal that we have in front of us. It is because our belief is that the constitution of the state must be according to the Quranic outlines. The Quran provides the permanent principles within which details can be worked out. So, if our

proposed constitution is according to Quran's basic principles then there is no need to worry about the details.

What is the importance of constitution to a state? – About this you are quite well aware of. And there is no need to go into details about it. A state's constitution is the lifeblood of its citizens. It impacts not only the present generation but the future generations as well. This is the case with any constitution. But the importance of the Quranic constitution for a state goes much beyond this – it turns that state into a model state for the entire world. It tells the world by perceptual means that when social life of humans is molded on the Quranic pattern then how the world becomes heaven on earth? This is our conviction – and this conviction is based on reason and deep understanding – that if Quranic constitution becomes the state constitution of Pakistan then other nations of the world would leave their systems and will adopt the Quranic system by seeing its shining results. And the heaven once again will see the scene of: يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ (110:2) – People joining the Divine Order in groups, one after the other.

When the passionate devotee rose up carrying the cup of Iman's elixir;
Then everyone started shouting: Bring it first to me, bring it first to me!

My friends, everyone can realize that the nation is going through a critical period now. But this is not the case only with Pakistan. It is no secret that great powers are also going through distress, anguish, and trail and tribulations. Their nature of difficulties and troubles may be different compared to weaker nations but they are facing their own challenges and difficulties nonetheless. So, nowhere there is peace and tranquility. The authorities in Pakistan are trying their best to improve the situation but they are facing hardship and difficulties at every step. The society has become so degraded and corrupted and the problems so numerous and challenging and so out of control that they seem impossible to solve. But these problems cannot be solved individually. The root cause of all the symptoms is only one. There is no need to put ointment on every boil of the smallpox. The solution is to attack the root cause of the disease with proper prescription. That is, the disease of the human society can be cured only with prescription of the absolute Creator. So, instead of trying to treat umpteen boils of the smallpox of the Pakistani society, we appeal to the official authorities to adopt the Quran as the single prescription. They will see then how these thousands of symptoms get cured with this single prescription. The Quran has sketched the picture thus of the world at the time of its revelation: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (30:41) – there was chaos and disorder everywhere in land and water – i.e., there was chaos in walks of life. Nothing was at its proper place. The Prophet (PBUH) did not treat the individual

symptoms of the sick society. He established a state and enforced the Quranic constitution in it; and all the symptoms automatically disappeared. In fact, the humanity saw a life of such accomplishment and wellbeing that is unparalleled in human history. This is the Sunnah of the Prophet (PBUH) and that is the role model for us. Let the Quranic constitution get enforced in the state of Pakistan and you will see how the environment turns into a lively season of spring from its eternal dead season of fall:

Don't worry O devotee; let the spring come!
Heaven will spread, flowers will blossom!

This is how heavenly society is created on Earth: كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (2:73) – thus Allah turns dead into alive if only you could use your intellect to observe His signs.

But my dear friends, the biggest responsibility falls on you in this regard. At this time only from your side the voice of the Quran – as *the* constitution of life – is being raised not just in Pakistan but in the entire world. The Nature had graced this great gift in your hands. But, for this, the Nature demands great sacrifice. It never reveals its heavenly pearls of gifts without extracting a huge price in terms of perseverance, hard work, and relentless struggle. When it opens the beast of a fortunate person then it loads him up with backbreaking burden of responsibility whose interpretation is summed up by these verses: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ۝ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ؕ۝ (93:1-6) – O Prophet (PBUH)! This strengthened your heart so much that difficulties which seemed almost impossible to overcome started appearing to be easily surmountable. You became much more courageous and your spirits soared. At this time in the initial stages of this program when you alone had to face tremendous hardships your back almost gave way with the weight of responsibilities. However, gradually the number of your companions increased due to which your burden lessened. Initially nobody was prepared to listen to you seriously. Instead all kinds of accusations and ridicule were hurled at you, causing much distress and anxiety. But gradually the situation changed and now your very name is being mentioned with dignity and reverence. Your fame has spread to far-off places and the message of Quran has attained an exalted position. The earlier hardships of life in Makkah were eased by the advent of Hijrah. Now the opponents have started waging wars against you. This has created new difficulties, but you will see that even after these hardships there shall be ease and comfort. This in fact is a principle of life, that for those who in the beginning face hardships with fortitude and steadfastness, later on there shall be ease and comfort.

This is a path of passionate love in which:

The more the difficulties keep on increasing in the seeker's way;
The more his heart is sure of reaching the destination of his way!

One should increase one's speed the more difficult the impediments one finds in his way of Quranic journey. This is the way for which it has been said:

Increase the pitch of your melody if its taste does not seem sweeter;
O rider! Increase the sound of your voice if howdah seems heavier!

But there is one prerequisite for travelling on this path: one cannot travel on this journey by using only emotion. The fact is that an emotional personal cannot accompany on the Quranic journey. The Quran has described its path as الْعَقَبَةُ (*Al-'Aqabatu*) – that is, to climb a hill. The only role emotion plays in climbing a hill is to provide a firm determination that, yes, I want to climb the hill. After that the phase of extreme patience, perseverance, and fortitude begins. The way up the hill can be covered only by advancing step by step. One cannot run to the top of the hill. Therefore, there is no place of emotion during the course of this journey. Courage, determination, and self-restraint – these are qualities that will arm you in your conviction to continue this journey. Whether or not one reaches the final goal – the top of the Quranic hill, i.e., the establishment of the Quranic society – in one's lifetime is not important. One should not even entertain this thought in one's mind – to see the final goal. The important thing is that one needs to continue this journey nonstop – so much so that even the leader of the passionate human caravan, the Prophet (PBUH) was told: وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (13:40) –O Prophet (PBUH), you might wonder whether the end of which your opponents are being warned will come about in your life time or whether you will spend your whole life in these struggles. The end will come according to Our Law of Requital. Your responsibility is only to communicate the message with full confidence that they will be recompensed for their actions since it is Allah Who keeps a watch over what they do.

There is no doubt that the results of this continuous struggle had started to appear during the lifetime of the Prophet (PBUH) but there were many companions who did not see the heavenly results of their struggle in their lifetime. In their share was only sacrifice after sacrifice – and the ultimate sacrifice of life. These companions could not see the fruit of their sacrifice during their lifetime. But the value of their sacrifice in the eyes of Allah was much more than those who joined the struggle later and saw the fruits of their struggle with their own eyes: لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ (57:10) – Remember that those who strive for the establishment of the Divine Order without waiting for its results and accordingly keep their wealth open and available; and if required come out on to the battlefield – they

certainly are "pioneers". Their status is higher than those who join this Order after it has been established and they have seen the results. In other words, those who had kept their wealth open even before this system was established and were ready to die for it, cannot just be equal to those who did so afterwards. They are: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ – They were first and foremost in accepting Islam; and their rank is very high.

Therefore, my dear friends, do not be disappointed if the results of your efforts do not appear in front of your eyes. This road is quite long and the goal extremely difficult. If such thoughts are popping up in your mind that "we have been working so hard but the results are not appearing," then know that you have really not understood the Quranic movement. On the part of the pioneers in this movement there is only continuous struggle, difficulties, and only more difficulties. They only sow the seeds of the Quranic thought and who knows who will harvest the crop. As for what we will get out of this continuous struggle – this is not something that can be explained rationally but can only be felt in the heart. Those who have this feeling know what the results are for treading on the path of truth and reality? They get a higher feeling in traveling itself on this path than would be the case in reaching the destination.

Throbbing, and not reaching the end, has its own taste;
Be happy that you're travelling behind the howdah of Layla!

The conviction in the truth of one's goal; belief in the proper way to reach that goal; and the company of trustworthy, sincere, and committed travelers – these are the treasures by themselves in the Quranic journey; so, what more one could wish for?

Don't be sad that the bud is new; it is the beginning of the garden what more do you wish?
There's river's edge, flowery garden, chirping birds; cool breeze, morn's dew, and melody!

The Quran reminds: ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (3:14) – that is the treasure of worldly life. And: وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (87:17) – the Hereafter is better and everlasting. Tell your opponents: You give preference to the worldly gains of this physical life, although future gains would be better and everlasting. In other words, when you have to choose between physical needs and permanent values, then the proper behavior would be the preservation of the latter. Physical needs should be sacrificed. This will nourish and develop human self; and future life would be eternal and successful.

My dear friends, as I mentioned, this is an extremely challenging time for you. I think that the law commission won't take much time in proposing its recommendations. You don't have much time and there is lot of work to do.

The program in front of you is that prorogate this Quranic thought as much as possible. I have compiled the principles of Quranic constitution in one pamphlet. Please make this and other pamphlets available to as many hands as possible. And those who agree with Tulu-e-Islam's position on the constitution after due thought and proper understanding, then please tell them to provide their feedback via the questionnaire to the law commission; and tell them to also provide this information to the government as well. If this Quranic voice could reach the law commission and to government official from every corner of Pakistan then it will be a great success on your part. This is an age of democracy. When a democratic and constitutional step is taken regarding an issue then it is going to produce result. I have so much faith in the truth of this message it is as if I see its success with my eyes:

My constant heartfelt ache will create strong inspiration;
Every individual of this nation will be filled with passion!

In this connection there is one more thing worth noticing. As you would have seen in the editorial of the April 1960 issue of the Tulu-e-Islam magazine, the age of self-created religion is disappearing. Demands of time are moving fast by trampling over any life-system that cannot keep pace with time. And Pakistan cannot remain unaffected by this environment. It is the result of this that (especially) the educated youth are turning away from religion. If the Quran's voice could reach them at this time then they will come to the دین (*Deen*) by deserting religion. Otherwise, they will land in lap of atheism or communism. And you can very well imagine what the result will be then. If you see from this point of view then also it is extremely important to spread the Quranic thought. In this audience there are many whom I know would have gone – God knows where by being fed up with religion – if the Quran's thought had not reached them.

If the Quran's voice wasn't available to those coming out of temples and mosques;
Then the suffering and snubbed human beings, God knows where would have gone?

Therefore, my dear friends, the responsibility for showing the way to those fed up with religion has fallen on your shoulders. There is no group at this time besides yours that is delivering the message of the pure دین (*Deen*) of Allah. But this is not something that everyone can do:

The treasure of love is not meant for everyone; Love is not conducive for everyone to work for!
Tulips will go to those who have aching-heart; the heart of the diamond is without the fiery fire!

Leave aside inviting them to the pure دین (*Deen*) of Allah, the majority of the people are not even willing to listen to the Quran, thanks to our religious priesthood. If you go to them with the message of the pure Quran they say:

We feel very peaceful in the darkness of the night;
Don't mention before us, the shine of morn's light!

But due to loud cry of bats, the sun does not stop rising. It does rise with full sunshine on its appointed time. The demands of time are telling clear and loud that it is time for the dark night to disappear into the blazing light of the morning's sunshine:

The time for lifting the curtain before the public has arrived!
The mystery hiding behind the curtain will surely be revealed!
The time has passed now that believers used to invite secretly;
The entire world will be its realm, everyone will be a believer!

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (61:8) – Do you think that with such attitude and actions you can extinguish the Divine Light (the Quran)? You can never succeed in your designs. Just imagine! Can they ever extinguish the light of the sun by just blowing at it? Allah is determined to make His light perfect and make it spread all over the world, regardless of how much the non-believers may detest it (9:32).

****

My dear friends, when I say that the grip of religion is getting looser then I am only stating a fact of life; and it is not my fantasy. But please understand that by "religion" I mean self-crafted ideologies and beliefs, not the revealed دین (*Deen*) of Allah. History tells us that whenever the influence of one religion diminished anywhere another religion filled the vacuum. But the disgust of religion per se at such a large scale that is happening now had never occurred before in the history of humankind. This is a clear proof that humanity is coming out of its childhood phase and entering its adulthood stage. Now, human beings cannot be frightened by the will-o'-the-wisp superstitious beliefs nor can it be entertained by ambiguous toys of hopes. Now, humans demand proofs and logic about the truth of every claim; and tend to accept it on the basis of knowledge and understanding only. The tired old technique of providing so-called "proof" is not going to work anymore, such as: Keep following the path of your ancestors blindly; and keep doing what they did in the name of religion to achieve salvation. The children of Adam are reaching their adult period of humanity. This is the reason that globally the grip of self-crafted religion is getting looser. This is a message of death for the religious priesthood. So, all their lamentations and cries are understandable. But the same thing is joyous news for the supporters of Allah's دین (*Deen*). The

downfall of religion is a sign of progress for دین (*Deen*); and demise of orthodoxy is a sign of truth's liveliness.

The flickering of stars is a sign of morning;
Sunrise in the horizon is end of dreaming!

The psychological state of fear on the faces of the custodians of religion; their unkempt hair and dirty getup; their shouting and becoming angry and restless at every step; their loss of composure – all these are signs that their disease is incurable; and they are amorously telling each other:

The reign of Almighty Allah is ipso facto;
Nnow there is no hope for cure of our ills!

On the other hand, the same thing is a sign of optimism and good news for the followers of دین (*Deen*), who, by looking at this scenario, conclude:

These setting of stars; this sad face of the moon;
The state tells the morn is bound to come soon!

My observation tells me that the world is about to enter the stage about which the Quran has said: يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (83:6) – The great revolution will occur in this way, and humankind will rise to establish the Divine order of universal sustenance. And: يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ (82:19) – That will be the period when everyone will see his deeds in front of him. Neither will anyone be able to do anything for the other; nor would one have any authority over the other. All power and authority will rest with the Divine Laws; and only these laws will prevail. In other words, a human being will neither be subservient to any other, nor will he be needy. No one will be able to save any criminal from the punishment for his crime. This will be the period of دین (*Deen*).

This is the period whose arrival the Devil (Iblis) had sensed and told its agents (in the words of Iqbal):

The demand of modern times makes me really afraid;
That Prophet's life's role model may become revealed.
Beware! Hundred times beware of the Prophet's life's model;
It guards women's honor, drives man to lift up humanity.
Its message is death to those who want to enslave humanity;
There is no kingship is this system, nor the system of beggary.'
Its system purifies the wealth from every form of corruption;
It makes the rich the trustees of its people's wealth and welfare;
What could be a bigger revolution in thoughts and deeds?
That this Earth belongs to Allah, not to rulers and kings!

This was the fear about which Iblis was afraid of. So, he told his advisors to make sure:

That this divine idea remains hidden from world's eyes;
It is good that the believer himself is devoid of true belief.
It is better for him to remain lost in the maze of metaphysics;
That he forever be lost in the interpretation of the divine Book.

Then Iblis advised his agents:

The clarion call that once broke the riddles of our hegemony;
Make sure that the dark night of the God-conscious never ends.

To achieve these goals the Devil Iblis gave a program to his followers (the custodians of religion): to entangle people from their religious pulpits in abstract and trivial religious matters such as:

Is the son of Marry dead, or is he eternally alive?
Are the attributes separate from God, or they aren't?
Is the one who is supposed to come, is he Jesus?
Or, is he someone who will have Jesus's attributes?
Are the words of the Quran new, or are they ancient?
In which ideology is the salvation of the dead Ummah?
Aren't these enough for the Muslims of this period?
All these idols sculpted from the metaphysical world!

These custodians of religions are busy encircling their sculpted idols and the devil has commissioned his agents in full force to keep shooting tranquilizer darts filled with these subliminal messages at people so that they become totally unaware of the real actions of the real world. The devil tells his agents:

Make man stranger to the world of facts and deeds;
So that in playing field of life-action all his steps fail!
Make only that poetry and Sufism attractive for his life;
Which hide from his eyes the realm of actions of real life?

Despite all this brainwashing of the Ummah by his agents, the devil being still afraid of true believers he expressed his incessant fear thus:

But I fear in my every breath that this Ummah may become awake;
Because the reality of its دین (Deen) is accountability of entire Life!

So, he tells his agents:

Keep them busy reciting Allahu every morning;
Make them habituated to monastic way of living!

To Be continued....



نیّر اقبال علوی



ڈاکٹر سید فرید الدین



محمد اشرف ظفر



شیخ اللہ دِتّا



تفسیر ''مطالب القرآن فی دروس الفرقان'' کی 41 جلدیں شائع ہونے پر
محترم اشرف ظفر ادارہ کی طرف سے تحسینی شیلڈ وصول کرتے ہوئے۔

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL. 71
ISSUE
4

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/



نہ تُو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

(بالِ جبریل سے ایک شعر)